www.shibliacademy.org

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۳ ماہ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۱۴ء عدد ۵

مجلس ادارت

مولانا سید محمد رابع ندوی
لکھنؤ

پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی
علی گڑھ

(مرتبہ)

اشتیاق احمد ظلی

محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

www.shibliacademy.org

شذرات

علامہ شبلی کی زندگی، ان کی علمی اور تحقیقی فتوحات اور ان کی دینی اور ملی خدمات کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں اور ابھری ہوئی نظر آئے گی وہ دین وملت کے لیے ان کی دردمندی اور دل سوزی کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ پوری زندی پر محیط ان کی تمام سرگرمیوں کے لیے اگر کوئی ایک عنوان تجویز کیا جائے تو بلا شبہ وہ یہی ہوگا۔ پہلی تحقیقی کاوش ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' سے زندگی کے سب سے مہتم بالشان اور آخری منصوبے سیرت النبیؐ کی تکمیل تک اور نیشنل اسکول کی تاسیس سے زمرہ مصنّفین کے لیے ان کی دائمی خدمت دارالمصنّفین کے قیام تک مسلمانوں کی دینی اور ملی ضروریات کا احساس اور ان کی بجا آوری اور تکمیل کی فکرمندی اور اس کے لیے غیر معمولی بے قراری اور تڑپ وہ اجزاء ترکیبی تھے جن سے ان کی شخصیت کی تشکیل ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر چہ ان کا اصل میدان کار علم وتحقیق تھا لیکن ان کی سرگرمیاں یہیں تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ملی زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا رہا ہو جو اس میں شامل نہ ہو۔ انہوں نے ایسی کئی اہم ملی ضروریات کا احساس کیا اور ان کے حل کے لیے کوشش کی جو مدت سے توجہ کی طالب تھیں اور اپنی غیر معمولی اہمیت اور سنگینی کے باوجود محض اس وجہ سے حل نہیں ہوسکی تھیں کہ ان کی طرف یا تو کسی نے توجہ ہی نہیں دی تھی یا اس انداز اور پیمانے پر ان کے لیے کوشش نہیں کی جاسکی تھی جس کی ضرورت تھی۔ آج سے ایک صدی پہلے ایسی مسلم تنظیمیں بھی کم ہی تھیں جو ان امور کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتیں اور ان مقاصد کے حصول کے لیے منظّم کوشش کرتیں۔ علامہ شبلی نے جن ملی مسائل کی طرف توجہ دی اور ان کے حل کے لیے جدوجہد کی ان میں وقف علی الاولاد، تعطیل جمعہ اور اشاعت وحفاظتِ اسلام جیسے اہم اور مہتم بالشان امور شامل ہیں۔ وقف علی الاولاد کے معاملہ میں ان کو پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے لیے انہوں نے جو تاریخی اور طویل جدوجہد کی اور اس مقصد کے حصول کے لیے جس طرح ایک پرزور اور منظّم مہم چلائی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن وہ ہماری قومی زندگی کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ تعطیل جمعہ کے سلسلہ میں ان کو بنیادی کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ لیکن وہ صرف نماز جمعہ کی اجازت کے بجائے نصف یوم کی تعطیل کے لیے کوشاں تھے لیکن اس کے حصول سے پہلے ہی ان کا وقتِ موعود آ گیا اور بات جہاں پہنچی تھی وہیں رہ گئی اور ایک صدی بعد بھی اب تک وہیں ہے۔ اشاعت وحفاظت اسلام کے سلسلہ میں ان کی کوششیں ان کی کتاب زندگی کا ایک نہایت روشن باب ہے۔

www.shibliacademy.org

چند مہینہ پہلے مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوشش اور جناب رحمٰن خاں، وزیر اقلیتی امور، حکومت ہند، کی دلچسپی سے وقف ترمیمی ایکٹ پاس ہوا جو یقیناً ایک بڑی کامیابی تھی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کے لیے طویل جد و جہد کی تھی۔ صدر جمہوریہ کی دستخط کے بعد اسے قانون کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ اس قانون کو اوقاف کی حفاظت کے سلسلہ میں حکومت ہند کا ایک مثبت اور اہم قدم سمجھا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ جتنا پرانا ہے اس کے حل کی کوششیں بھی اتنی ہی قدیم ہیں۔ اس سلسلہ میں ابتدائی کوشش ایک صدی پہلے شروع ہو چکی تھی۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد اوقاف کی جو ناگفتہ بہ حالت تھی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں تھی۔ بعض مسلم تنظیموں نے اس سلسلہ میں دلچسپی لی لیکن وہ اس کے صبر آزما تقاضوں کو پورا نہ کر سکے چنانچہ اس سلسلہ میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔ علامہ شبلی کو اس مسئلہ کی صحیح صورت حال اور اہمیت کا پورا ادراک تھا اور اصلاح احوال کے لیے عملی اقدام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ وقف علی الاولاد کی مہم کے دوران ان کو اوقاف کے جو حالات معلوم ہوئے اس سے اس مسئلہ کی پوری صورت حال ان کے سامنے آ گئی اور اس سلسلہ میں کچھ کرنے کی ناگزیر ضرورت کا احساس پختہ ہوتا گیا۔ خاص طور سے اس لیے کہ اتنے بڑے ملی سرمایہ کے باوجود مسلمان اپنے ملی اور قومی کاموں کے لیے پائی پائی کے محتاج تھے اور قومی کام کرنے والوں کو ہر کام کے لیے قوم کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلہ میں کوئی عملی اقدام کرنے سے پہلے گورنمنٹ دو امور کے سلسلہ میں مسلمانوں سے تسلی بخش جواب چاہتی تھی، اول یہ کہ یہ ثابت کیا جائے کہ یہ پوری قوم کا مطالبہ ہے اور کسی خاص طبقہ یا فرقہ تک محدود نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اوقاف کی آمدنی صحیح مصرف میں صرف نہیں کی جاتی۔ اس سے پہلے جن تنظیموں نے اس سلسلہ میں دلچسپی لی تھی وہ ان مطالبات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ جنوری ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی نے یہ تحریک شروع کی اور اس سلسلہ میں ایک مراسلہ شائع کیا۔ قومی اور ملی کاموں کے سلسلہ میں ان کا یہی طریقِ کار تھا۔ یہ مراسلہ مقالات شبلی حصہ ہشتم میں محفوظ ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی "حیات شبلی" میں اس کا خلاصہ دے دیا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں علامہ شبلی نے اس مراسلہ میں مختلف دفعات کے تحت کام کا پورا نقشہ پیش کر دیا تھا اور وہ خطوط کار متعین کر دیے تھے جن پر کام ہونا تھا، اس سے گورنمنٹ کے مطالبات بھی پورے ہو جاتے۔ شاید اسی وجہ سے اس کے اگلے ہی مہینہ گورنمنٹ نے اوقاف کے متعلق ایک یادداشت شائع کی اور اسی مہینہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ایک کانفرنس منعقد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ۱۶؍فروری ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی مولانا شروانی کو لکھتے ہیں: "آپ نے دیکھا اِدھر اوقاف

www.shibliacademy.org

اسلامی کی تحریک شروع ہوئی اُدھر گورنمنٹ نے یادداشت شائع کی اور ایک کانفرنس اسی مہینہ میں بٹھانے والی ہے۔ خیر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے ع آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے''۔ ان کا کام کرنے کا انداز یہی تھا اور وہ ہر ملی کام کے لیے جان لڑا دینے کے لیے تیار رہتے تھے اور ہر کام کو نہایت منظّم انداز میں کرتے تھے۔ لیکن اجل نے ان کو مہلت نہ دی کہ وہ اس کام کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔ ۱۹۱۴ء سے ۲۰۱۳ء ایک صدی کا طویل فاصلہ ہے۔ اس طویل عرصہ میں اوقاف کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً بعض اقدامات ہوتے رہے لیکن وہ علامہ کی توقعات اور مسلمانوں کے مطالبات سے بہت کم تھے۔ اب ایک صدی بعد جب یہ وقت سعید آیا اور یہ مطالبہ پورا ہوا تو اس بطل جلیل کی یاد آنا ایک فطری امر ہے جس نے اس کی ابتداء کی اور الفضل للمتقدم کے بموجب ہماری احسان مندی کا مستحق ہے۔ ملت کے کتنے اور کیسے کیسے کام تھے جو اس شکستہ پا، دائم المرض اور عدیم الفرصت ہستی نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھے تھے۔ آج مختلف ملی تنظیمیں جو خدمات انجام دے رہی ہیں ان میں سے کتنوں کا سرا ملک وملت کے اس محسن سے کسی نہ کسی صورت میں جا ملتا ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
بر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

گذشتہ کئی سال سے معارف آن لائن دستیاب ہے۔ اس سہولت سے خاص طور سے بیرون ملک رہنے والے معارف کے قدرداں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گذشتہ دنوں اکیڈمی کی مطبوعات کی آن لائن خریداری کی سہولت بھی فراہم کردی گئی ہے۔ توقع ہے کہ اس سے اکیڈمی کی مطبوعات کی حصول یابی آسان ہوجائے گی۔ اکیڈمی کی مطبوعات کو e-book فارمیٹ میں بھی دستیاب کرانے کا انتظام کیا جارہا ہے اور انشاءاللہ جلد یہ کام پورا کرلیا جائے گا۔ اس طرح اکیڈمی کا گراں قدر لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے گا اور جدید ٹکنالوجی کے وابستگان بھی اس سے مستفید ہوسکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچنے کے لیے اس سے پہلے بھی ہم ممکن حد تک جدید وسائل کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہماری ویب سائٹ پر اکیڈمی کی سرگرمیوں کی تازہ ترین تفصیلات دستیاب رہتی ہیں۔ اب ایک ذیلی ویب سائٹ شروع کی گئی ہے جو صدی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔ ملک کے طول وعرض میں اس سلسلہ میں منعقد ہونے والے پروگراموں کی تفصیل اس پر دستیاب رہتی ہے۔ اکیڈمی کے بہی خواہ اگر شبلی اکیڈمی گروپ سے منسلک ہوجائیں تو ان کو اپنے ای-میل پر اکیڈمی کے متعلق جملہ معلومات پہنچتی رہیں گی۔

www.shibliacademy.org

مقالات

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ
دعوتِ اسلامی حنیفی کے اولین نقیب

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

بعثت محمدی ﷺ کے قبل زمانۂ جاہلیت میں مختلف ادوار اور مقامات پر انفرادی حنیفیت کی جو آوازیں اٹھتی رہیں وہ قریش مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے رواجی دین خصوصاً اس کی صنم پرستی کے خلاف توحید پرستی کی مبہم آوازیں تھیں۔ انفرادی احناف نے دین حنیفی اور ملت ابراہیمی کی طرف لوٹنے کی خود بھی کوشش کی اور اپنے لوگوں کو بھی اسی کی دعوت دی۔ ان احناف کی گرامی قدر شخصیت اور ان کے سیرت و کردار کی رفعت نے تھوڑی سی فکری اور دینی اور سماجی ہلچل تو مچائی مگر وہ اجتماعی تحریک نہیں برپا کر سکے۔ اس کے دو بڑے اسباب تھے: ایک وہ خود توحید و حنفیت کا واضح تصور نہیں رکھتے تھے دوسرے وہ دوسروں کو اپنا ہم خیال نہیں بنا سکے۔ اکا دکا افراد ان سے اتفاق کرتے تھے مگر ان کے قبیلے ان کے مخالف تھے (۱)۔ خاندان نبوی میں چند پیڑھیوں قبل ایک حضرت ابو کبشہ بھی تھے اور ان کی فکر کا زیادہ گہرا اثر پڑا تھا اور وہ اس کی علامت بن گئے تھے۔ (۲)

عہد نبویؐ کے بالکل قریب مکہ میں قبیلہ قریش کے ایک خاندان میں ایک اہم حنیفی نقیب اٹھے۔ بعثت نبوی کے قبل ایک طویل مدت تک وہ حنیفیت کے فروغ اور صحیح دین حنیفی کی ترویج کی اپنی غیر واضح کوشش کرتے رہے۔ مآخذ سیرت و حدیث میں ان کا ذکر ملتا ہے مگر وہ ان کی سیرت و سوانح کی بازیافت کے لیے کافی نہیں ہے۔ مگر جتنی بھی روایات و معلومات دستیاب ہیں وہ ان کو دعوت اسلامی حنیفی کا اولین اور اہم ترین نقیب ضرور ثابت کرتی ہیں۔ جدید سیرت نگاروں اور

سابق صدر ادارہ علوم اسلامیہ و شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

www.shibliacademy.org

محققوں نے قدیم مصادر کی روایات واخبار سے بھی خاطر خواہ استفادہ کر کے ان کے بارے میں کافی نہیں لکھا (۳)۔ مکی ماحول میں ان کی شخصیت اور اس کے محدود کارنامے بہر حال شرک وانحراف کی تاریکی میں توحید وایمان کی روشن قندیلیں ہیں، بعثت محمدی کے دینی اور سماجی پس منظر میں ان کا مطالعہ اس مقالہ کا مقصود ہے۔ اس سے سیرت نبوی کے بعض نئے گوشے اجاگر ہوں گے۔

نام ونسب: قبیلہ قریش کے ایک عظیم الشان خاندان میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ پیدا ہوئے تھے۔ وہ بنو عدی کا خاندان وبطن تھا جو مکی اشرافیہ میں شریک تھا اور جس کے شیوخ وسادات محترم سمجھے جاتے تھے۔ نسب نگاروں کے مطابق ''عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر'' کے دو بطون بنو رزاح بن عدی بن کعب اور بنو عویج بن عدی بن کعب تھے۔ جو ان کے دو فرزندوں کی نسلوں سے چلے تھے۔ قریش (فہر بن مالک) کے پانچویں پشت میں تھے اور اول الذکر زیادہ اہم تھے۔ رسول اکرمؐ کے خاندان بنو عبد مناف سے اس کا گہرا خاندانی اور خونی رشتہ تھا۔ بنو عدی کا نسب اس سے کعب بن لوی پر مل جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی ان دونوں بطون قریش کے خاندانی قرابت کے رشتے تھے اور ان کا ذکر دوران بحث مختلف عناوین کے تحت آئے گا۔ حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کا پورا نسب یہ تھا:

حضرت زید[۱] بن عمرو[۲] بن نفیل[۳] بن عبد العزیٰ[۴] بن ریاح[۵] بن عبد[۶] اللہ بن قرط[۷] بن رزاح[۸] بن عدی[۹] بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔ حضرت محمد[۱] رسول اللہؐ بن عبد اللہ[۲] بن عبد المطلب[۳] بن ہاشم[۴] بن عبد مناف[۵] بن قصی[۶] بن کلاب[۷] بن مرہ[۸] بن کعب بن لوی......۔

ان دونوں نسب ناموں کے موازنہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کعب بن لوی کی آٹھویں پشت میں تھے اور حضرت زید نویں نسل میں۔ رشتہ وقرابت داری کے لحاظ سے وہ رسول اکرمؐ کے بھتیجے لگتے تھے اگرچہ ان کی عمر زیادہ تھی اور ان کا زمانہ زیادہ پہلے کا۔ اصلاً حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ صحابی جلیل حضرت عمر بن خطاب بن نفیل عدویؓ کے خاندان سے تھے اور ان کے چچازاد لگتے تھے۔ حضرت زید بن عمرو بن نفیلؓ کے دو چچا (اعمام) خطاب بن نفیل اور عبد نہم بن نفیل ایک ماں سے تھے جن کا نام حیہ بنت جابر بن ابی حبیب تھا اور جن کا تعلق خاندان بنو فہم سے تھا جبکہ ان کے والد عمرو بن نفیل اور ان کے ایک بھائی اصیب بن نفیل دوسری ماں سے تھے جو

www.shibliacademy.org

خاندان عدوان سے تھیں اور جن کا نام تھا قلابہ بنت ذی الاصبع اور وہ الشاعر کے نام سے معروف تھے کہ اچھے شاعر تھے۔ حضرت عمر بن خطاب عدوی کے والد ماجد خطاب بن نفیل حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے باپ کی طرف سے چچا تھے اور ماں کی طرف سے بھائی، زبیری کی ان تمام تصریحات کی تائید ابن اسحاق/ابن ہشام کی روایات سے بھی ہوتی ہے اور کتب حدیث خاص کر بخاری/فتح الباری سے بھی۔(۴)

خاندانی وجاہت: بنو عدی کے چھوٹے سے بطن (خانوادہ) قریش سے تعلق کے باوجود حضرت زید بن عمرو بن نفیل صاحب جاہ تھے۔ ان کی شخصی وجاہت بھی تھی اور خاندانی منزلت بھی۔ قریشی اشرافیہ میں ان کے خاندان کو موروثی طور سے سفارہ کا منصب حاصل تھا جو قصی بن کلاب کی تعمیر قوم اور ترقی اشرافیہ سے پہلے ان کے جد امجد کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ ان کے چچا/مادری برادر اکبر اور حضرت عمرؓ کے والد خطاب بن نفیل عدوی ان کے زمانے میں اس کے اہم منصب دار رہے تھے۔ ان کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ اپنے زمانے کے حاکم قریش تھے جن سے پورا قبیلہ فیصلے کراتا تھا: "وکان یتحاکم الیہ قریش" زبیری کے اس بیان پر بلاذری نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نفیل جد حضرت عمرؓ ایک شریف نبیل (عظیم سردار) تھے۔ بعض دوسرے مآخذ سے ان کے قریش کے اکابر کے درمیان فیصلے کرنے کے واقعات کا بھی ذکر ملتا ہے جو ان کی وجاہت کا شاہد ہے۔(۵)

اگرچہ ان کے عم مکرم خطاب بن نفیل عدوی کے منصب سفارہ اور قریشی ملاء میں مقام و مرتبہ کا ذکر کم ملتا ہے لیکن وہ بہر حال صاحب منصب و مرتبت شخص تھے۔ ان کے والد ماجد کا منصب سفارہ وحکومت ان کو ہی وراثت میں ملا تھا۔ اور ان کے بعد ان کے چچازاد برادر حضرت عمر بن خطاب عدوی کو جیسا کہ مآخذ نے موخر الذکر کے بارے میں تصریح کی ہے۔ بلاذری میں کئی روایات حضرت عمر بن خطاب عدوی کی سند و روایت سے مروی ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ سخت مزاج و درشت خو تھے اور حضرت عمرؓ پر بھی سختی کرتے تھے اگر ان سے قصور ہو جاتا یا ان سے مویشی اور اونٹ چراتے وقت کوتاہی ہو جاتی تو چلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی مزاجی سختی ان کے والد ماجد سے خون میں ملی تھی۔ وہ اصلاً مزاج کی درشتی نہ تھی بلکہ صلابت و حاکمیت کی نخوت تھی۔(۶)

www.shibliacademy.org

بطون قریش سے تعلقات: سیرت نبویؐ میں یہ تبصرہ عام طور سے نظر آتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے نسبی تعلقات تمام بطون سے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے تمام خواص و عوام قریش ایک دوسرے خاندان قریش ہی سے گندھے ہوئے نہ تھے بلکہ وہ دوسرے قبائل عرب سے بھی اسی طرح مربوط تھے۔ اس میں سب سے زیادہ ارتباط ازدواجی تعلقات نے پیدا کیا تھا۔ حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے نسبی، ازدواجی اور خاندانی و قبائلی تعلقات کا معاملہ بھی اسی طرح سلسلوں سے بندھا تھا۔ ان نسبی اور خاندانی رشتوں نے ان کو متعدد بطون اور ان کے اکابر سے قرابت میں متحد کر دیا تھا۔

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کی والدہ حیہ بنت جابر بن ابی حبیب فہمی دراصل ان کے والد کی سوتیلی ماں تھیں اور وہ خطاب بن نفیل اور ان کے برادر اصغر عبدنہم کی ماں تھیں۔ اس طرح یہ دونوں فرزندان نفیل عدوی ان کے ماں جائے بھائی تھے۔ ان کے والد عمرو بن نفیل عدوی نے دراصل باپ کے مرنے کے بعد ان سے نکاح المقت کر لیا تھا جو جاہلی دور میں بعض اکابر کا وطیرہ تھا(۷)۔ مآخذ اسی بنا پر حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کو خطاب بن نفیل عدوی کا بھتیجا اور ماں جایا بھائی (اخوھما لامھما) کہتے ہیں۔ جد امجد نفیل بن عبدالعزیٰ کی ماں امیمہ بنت ود بن عدی قضاعی تھیں جو بعد میں ہاشم بن عبد مناف کی زوجہ بنیں اور ان کے بطن سے جد امجد نبوی کے فرزند نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف ان کے ماں جائے بھائی تھے اور دوسرے ماں جائے عمرو بن ربیعہ بن حارث عامری قریشی تھے۔(۸)

ان کا اپنا خاندان بھی اسی طرح ازدواجی قرابتوں کے سلسلے سے بندھا تھا۔ اس کا مفصل ذکر بعد میں آتا ہے۔ بہرحال حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی نے فاطمہ بنت بعجہ بن امیہ خزاعی سے شادی کی تھی جن سے ان کے فرزند حضرت سعید پیدا ہوئے۔ ان کی ایک دختر حضرت عاتکہ بنت زید کا ذکر زبیری نے کیا ہے مگر ان کی ماں کا نام و نسب نہیں بتایا۔ متعدد دوسروں نے بھی صراحت نہیں کی۔ تاثر ہوتا ہے کہ وہ حضرت سعید بن زید عدوی کی حقیقی بہن تھیں۔ ان دونوں اور ان کے ازدواجی تعلقات پر بحث بعد میں آتی ہے(۹)۔ ابن اسحاق نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کی خاندانی تعذیب و ستم کے ضمن میں ان کا نام صفیہ بنت حضرمی بتایا ہے اور

www.shibliacademy.org

ابن ہشام نے ان کا نسب نہیں دیا ہے۔ابن سعد نے بہر حال یہ خلا پورا کیا ہے کہ حضرت عاتکہ بنت زید عدوی کی ماں کا نام تھا: ام کرز بنت الحضرمی بن عمار بن مالک بن ربیعہ بن لکیز بن مالک بن عوف ۔اس طرح حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے دو بدوی قبائل عرب سے ازدواجی رشتے ثابت ہوتے ہیں۔(۱۰)

عہد حضرت زید عدویؓ: اب تک دستیاب تمام مآخذ میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کی تاریخ ولادت اور زمانہ کارکردگی کا حوالہ نہیں ملا۔عام بیان یہ ملتا ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی بعثت سے قبل کا زمانہ تھا جب وہ زندہ اور مکی سماج میں کارگذار رہے تھے۔قیاس سے اور بعض قرائن سے ان کے زمانہ ولادت کو متعین کیا جا سکتا ہے اور اس کی تصدیق و تائید میں بعض واقعات بھی پیش کیے جا سکتے ہیں ۔ عام قیاس کہتا ہے کہ وہ اپنے چچا خطاب بن نفیل عدوی سے چند برس چھوٹے تھے اور ان کا زمانہ ولادت جاہلی عرب کا عہد قریب تھا۔غالباً وہ ولادت نبوی سے پچیس تیس سال قبل پیدا ہوئے تھے اور حضرت ورقہ بن نوفل اسدیؓ کے ہم عمر و ہم عصر بھی تھے۔اس کے دلائل و قرائن اور حقائق یہ ہیں۔

ان کے فرزند حضرت سعید بن زید عدویؓ حضرت عمر فاروقؓ کے ہم عمر و ہم عصر تھے۔ موخر الذکر کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ وہ بعثت نبوی سے قریب بیس اکیس برس قبل پیدا ہوئے تھے، یہی زمانہ حضرت سعید بن زید عدویؓ کا ہے۔لہٰذا ان کے پدر گرامی حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ ان سے کم از کم پچیس تیس سال قریب بڑے تھے کہ یہی فرق بالعموم پدر و فرزند میں ہوتا تھا۔

اس لحاظ سے حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کا زمانہ ولادت چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں یا اس سے کچھ قبل متعین ہوتا ہے۔

حضرت ورقہ بن نوفل اسدی ان کے حقیقی دوست و شریک فکر و عمل تھے۔ وہ حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ سے چند برس بڑے تھے اور اسی رشتہ سے وہ ان کے منگیتر تھے یا حضرت خدیجہؓ ان کی مسماۃ تھیں ۔عمر نبوی سے ان کی عمر پندرہ سال زیادہ تھی اور حضرت ورقہ بھی پندرہ بیس سال عمر میں زیادہ تھے۔ یہ تمام حقائق و دلائل ان کی ولادت کا زمانہ مذکورہ تاریخوں میں متعین کرتے ہیں۔

www.shibliacademy.org

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کا عہد اس لحاظ سے چھٹی صدی عیسوی کا نصف آخر اور ساتویں صدی عیسوی کے اولین برس ٹھہرتے ہیں۔ یہی زمانہ ان کے دوسرے احناف قریش کا بھی تھا۔ وہ بعثت نبوی سے کچھ قبل واصل بحق ہوئے۔(۱۱)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی کی حنیفیت: بالعموم سیرت نگار اور ان کے مآخذ نسب و سوانح اور مصادر حدیث بھی ان کی حنیفیت پر ارتکاز کرتے ہیں۔ اور ان کے حالات و واقعات کے بارے میں کم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ بہرحال ان کی حنیفیت کے حوالے سے کئی اہم روایات ملتی ہیں۔ ان سے ان کے دینی، فکری، علمی رجحانات کے علاوہ اکابر قریش، ان کے مختلف بطون اور دوسرے اشخاص عرب سے تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں خاص روابط رسول اکرمؐ کے حوالے سے کتب حدیث و سیرت میں مذکور ہیں اور وہ قبل بعثت کی سیرت کا اہم حصہ ہیں۔ سب سے پہلے ان کی حنیفیت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آغاز حنیفیت کا ایک حوالہ امام سیرت ابن اسحاق کے تذکرہ احناف میں آتا ہے جس کو سب نے ماخذ بنایا ہے۔ قریش نے اپنی سالانہ عید ایک صنم کدے کے قریب منائی جو وہ ہر سال مناتے تھے تو چار افراد قوم نے ایک سال اس سے براءت کا اظہار کیا اور متفق ہوکر بت پرستی سے انکار کیا اور اپنی قوم کو حضرت ابراہیمؑ سے روگردانی کا مرتکب بتایا پھر انہوں نے حنیفیت یعنی دین ابراہیمؑ پر چلنے کا عزم کیا اور اس کی تلاش میں وہ مختلف شہروں میں منتشر ہوگئے۔ وہ تھے: حضرات ورقہ بن نوفلؓ اسدی، عبیداللہ بن جحش اسدی خزیمیؓ، عثمان بن الحویرث اسدیؓ اور زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ مذکورہ احناف میں سے تین تو دین حنیفی کے مبہم طریقے پر کچھ مدت عامل رہے پھر وہ پایان کار نصرانی بن گئے۔ صرف حضرت زیدؓ دین حنفی پر جمے رہے۔ ابن سعد وغیرہ کے مطابق حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ تلاش حق میں شام گئے اور یہود و نصاریٰ کے علماء سے علم و دین کی بابت استفسار کیا اور ان کا دین انہیں پسند نہیں آیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک نصرانی شخص نے ان سے کہا کہ آپ کو دین ابراہیم کی تلاش ہے۔ حضرت زید نے اس سے پوچھا کہ دین ابراہیم کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیمؑ حنیف اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے تھے بلکہ اللہ کے سوا تمام معبودان باطل کے دشمن تھے۔ اور وہ بتوں پر

www.shibliacademy.org

قربان کیے جانے والے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔حضرت زید نے اس کو بتایا کہ یہ تو میں خود جانتا ہوں اور میں اسی دین پر ہوں اور پتھروں اور لکڑیوں کے تراشیدہ خداؤں کو جن کو میں خود تراشتا ہوں نہیں مانتا۔حضرت زید مکہ لوٹ آئے اور دین ابراہیم پر تھے۔مآخذ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت زید صنم پرستی کے ساتھ نصرانیت و یہودیت کے بھی سخت مخالف تھے۔(۱۲)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں تمام مآخذ نے عام طور سے ان ہی معلومات کو بیان کیا ہے۔ان کے بعض اعمال اور عبادات کے بارے میں بھی مآخذ کا اتفاق ملتا ہے لیکن امام ابن سعد نے بعض اہم روایات کا اضافہ کیا ہے۔ان کی خاص اہمیت یہ ہے کہ وہ بعض مکی سابقین اولین کے مشاہدہ اور روایت پر مبنی ہیں۔ان میں سے ایک حضرت عامر بن ربیعہ عنزی سے مروی ہے کہ حضرت زید نے طلب دین میں یہودیت و نصرانیت اور صنم پرستی کو ترک کر دیا اور اپنے قومی خداؤں سے کنارہ کشی کی اور ان کی عبادات و ذبائح سے بھی احتراز کیا۔انہوں نے حضرت عامر کو ایک بار بتایا کہ میں نے اپنی قوم کے مذہب سے اختلاف کیا اور حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی ملت کی پیروی کی اور ان ہی کی عبادت کی طرح عبادت کرتا ہوں۔وہ سب اس قبلہ (کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور میرا بھی وہی قبلہ ہے اور اسی جیسی نماز پڑھنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔بعض دوسری روایات میں ان کے ذہنی کرب و درد کا بھی ذکر آتا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے سجدہ میں گر جاتے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے کہتے کہ میں نہیں جانتا کس طرح تیری عبادت کروں۔حضرت زید بن عمرو عدویؓ کی عبادات نماز وغیرہ کا ذکر مآخذ میں ملتا ہے۔اس اہم ترین روایت حضرت عامر عنزی میں بعثت نبوی کا بھی ذکر ہے اور اس پر بحث بعد میں ایک خاص عنوان سے آتی ہے۔(۱۳)

امام ابن سعد نے اپنے استاذ گرامی کی ایک روایت ان کی خاص متصل سند سے حضرت حجیر بن ابی اہاب سے نقل کی ہے کہ میں نے ان کو (حضرت زید بن عمرو) کو ان کے شام سے واپس آنے کے بعد دیکھا اور میں اس وقت صنم بوانہ کے پاس تھا۔حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی سورج پر نظر رکھتے اور جب زوال کا وقت ہوجاتا تو وہ کعبہ کا استقبال (رخ کرتے) اور ایک رکعت اور دو سجدوں کی نماز پڑھتے۔پھر فرماتے: ”یہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا قبلہ ہے۔

www.shibliacademy.org

میں کسی پتھر کی عبادت کروں گا، نہ اس کے لیے نماز پڑھوں گا، نہ اس پر جانور قربان کروں گا اور نہ اس کے ذبائح (ذبیحے) کھاؤں گا اور نہ تیروں سے فال لوں گا۔ میں اسی بیت اللہ کی طرف نماز پڑھتا رہوں گا تا آنکہ مرجاؤں''۔ راوی وعینی شاہد کا یہ بیان بھی ہے کہ حضرت زید عدوی حج کرتے تھے اور عرفہ میں وقوف کرتے اور تلبیہ پڑھتے تھے: ''**لبیک لا شریک لک و لا ندلک**'' پھر وہ عرفہ سے پیادہ پا واپس آتے اور زبان سے تلبیہ کے دوسرے الفاظ دہراتے: ''**لبیک متعبدا لک مرقوقا**'' (حاضر ہوں تیرا ہی بندہ ہوں اور تیرا ہی غلام ہوں)۔ بلاذری کی روایت واقدی میں اصنام عرب پر نکتہ چینی وغیرہ کے بعد یہ الفاظ منقول ہیں: ''**لبیک حقا حقا تعبدا ورقا**'' یہ بھی اضافہ ہے کہ وہ کہا کرتے کہ میرے رب میں نہیں جانتا کہ تجھے کس سمت میں سجدہ کروں ورنہ ادھر ہی کرتا پھر وہ اپنی راحت پر سجدہ کرتے۔(۱۴)

قوم سے اختلاف واستدلال: صرف منفی انداز سے ہی حضرت زید بن عمرو بن نفیلؓ نے اپنی قوم قریش کی ملت و دین سے اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان سے استدلال بھی کرتے اور ان کے ذریعہ ان کے انحرافات دینی پر تنقید بھی کیا کرتے تھے۔ یہ خاصی جاندار تنقیدیں ہیں:

امام ابن سعد نے اپنی سند سے امام سیرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت نقل کی ہے جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ صحابی جلیل حضرت محمد بن عبداللہ جحش اسدی خزیمیؓ سے مروی ہے۔ حضرت زید قریش کو غیر اللہ پر ذبیحے کرنے پر ملامت کرتے اور فرماتے: ''بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لیے زمین سے چارہ اگایا پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟ اس حرکت شنیعہ پر انکار کرتے ہوئے اور اس کے نام کے اعزاز میں تو ہرگز وہ ذبیحہ نہیں کھاؤں گا جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو''۔ زبیری نے قریب قریب ایسی ہی عبارت میں ان کی تنقید نقل کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے بعد وہ فرماتے کہ میں اپنے سوا کسی اور کو دین ابراہیم پر نہیں پاتا ہوں۔ پھر کعبہ کا رخ کر کے کچھ کلام منظوم ارشاد فرماتے جو منقول ہے۔ ابن کثیر نے حضرت اسماءؓ کی روایت کے حوالے سے یہ اہم اضافہ کیا ہے کہ حضرت زید قریش کو زنا سے ڈراتے تھے کہ وہ فقر لاتا ہے: ''**یا معشر قریش، ایاکم والزنا فانہ یورث الفقر**''۔(۱۵)

www.shibliacademy.org

ایک اور عظیم المرتبت صحابیہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کی روایت میں ان کی عینی شہادت ملتی ہے۔فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے اپنی پشت لگا کر کھڑے ہوئے دیکھا اور فرماتے ہوئے سنا کہ اے معشر قریش تم میں سے کوئی بھی میرے سوا دین ابراہیم پر نہیں ہے:''**ما منکم الیوم احد علی دین ابراھیم غیری** ......''، اس روایت میں حضرت اسماءؓ کا ابتدائی بیان بہت اہم ہے کہ میں نے حضرت زیدؓ کو جب دیکھا تو بہت بوڑھے (**شیخا کبیرا**) تھے۔

اسی روایت حضرت اسماء میں حضرت زید کے ایک اور اسلامی حنیفی کارنامے کا ذکر ملتا ہے۔وہ زندہ درگور کی جانے والی بچیوں (**الموء ودۃ**) کو بچا لیتے تھے۔انہیں جب بھی خبر ملتی کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو اس کے پاس جاتے اور اس سے کہتے: ٹھہر جاؤ۔اس کو قتل نہ کرو، میں اس کی دیکھ بھال کا خرچ اٹھاؤں گا اور اسے لے لیتے تھے، جب وہ بڑی ہو جاتی (**ترعرعت**) تو اس کے باپ سے کہتے ''اگر تم چاہو تو تمہاری بچی تمہیں واپس دے دوں اور اگر چاہو تو میں اس کی دیکھ بھال کروں گا:''...... **وکان یحیی الموؤدۃ ، یقول للرجل اذا اراد ان یقتل ابنتہ : مھلا لا تقتلھا ، انا اکفیک مؤونتھا ، فیاخذھا فاذا ترعرعت قال لابیھا : ان شئت دفعتھا الیک وان شئت کفیتک مؤونتھا**''۔ بظاہر یہ روایت ان بچیوں سے متعلق معلوم ہوتی ہے جن کو فقر و فاقہ کے سبب زندہ درگور کیا جاتا تھا۔حضرت زید ان بچیوں کو بھی بچا لیتے تھے جو عار کے سبب دفن کر دی جاتی تھیں۔

بلاذری کی روایت واقدی میں زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کے بارے میں کچھ عمدہ اضافے بھی پائے جاتے ہیں۔وہ ہر نومولود بچی کا فدیہ دے کر اسے بچا لیتے۔اس کے گھر والوں کو فدیہ میں ایک غلام یا باندی دیتے یا مویشیوں میں سے اونٹ، گھوڑے یا بکری عطا فرماتے۔ جب یہ نقد و جنس کا فدیہ ان کے وسائل سے تجاوز کر گیا تو وہ اس بچی اور اس کی ماں کی کفالت کا خرچہ دیتے اور اس کے گھر والوں کے اصرار پر ان کی بھی کفالت کیا کرتے۔ یہ نان نفقہ بہر حال زیادہ گراں باری نہ کرتا۔(۱۶)

ابن اسحاق کی روایت یونس بن بکیر میں حضرت زید بن عمرو عدویؓ کے دین حنیفی کا ایک

www.shibliacademy.org

اور عمل نقل ہوا ہے۔ ابن اسحاق نے یہ روایت حضرت زید کے آل (اولاد) میں سے کسی راوی کی سند پر بیان کیا ہے جو اس کو متصل و معتبر بناتا ہے۔ ''حضرت زید خانہ کعبہ میں داخل ہوتے تو کھڑے کھڑے جناب الٰہی میں عرض و معروض کرتے: اے اللہ: میں سچے دل کے ساتھ تیرے حضور حاضر ہوں، تیرا بندہ و غلام ہوں اور ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے حضرت ابراہیمؑ نے پناہ چاہی تھی''۔ ایک بار انہوں نے بحالت قیام یہ عرض کی: ''پروردگار، میری ناک تیری خاطر خاک آلود ہے، تو جس آزمائش میں مجھے ڈالے گا اس کو برداشت کرنے کو تیار ہوں مگر میں تو نیکی کا طلب گار ہوں، فخر و غرور کا نہیں، میں یہ حقیقت بھی جانتا ہوں کہ شدید گرمی کی بھری دوپہر میں ہجرت کرنے والا قیلولہ کرنے والے کی طرح ہرگز نہیں ہوسکتا......''۔ (۱۷)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کی حنیفیت کے بارے میں واقدی کی روایت بلاذری میں ایک اور عمدہ اضافہ ملتا ہے۔ متعدد مآخذ میں یہ ذکر آتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی مانند اپنی کافر و مشرک قوم سے الگ تھلگ ہو گئے تھے جسے روایات میں اور قرآنی آیات کریمہ میں اعتزال کہا جاتا ہے۔ یہ غالباً احناف یا حنیفیت کے پیروکاروں کی ایک سنت متواترہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت زید عدویؓ نے اپنی قوم قریش کو چھوڑنے کے بعد کوہ حراء کے دامن میں ایک خیمہ لگالیا تھا جہاں وہ عبادت کرتے تھے۔ روایت میں اسے تحنث سے تعبیر کیا گیا ہے اور جاہلی عرب میں وہ تحنث حضرت ابراہیمؑ کے دین حنیفی کا بقیہ نقیہ تھا۔ قریش کے بعض اکابر یا سب عوام و خواص ان کو اسی خلوت نشینی اور قومی اعتزال کے سبب الراہب کہا کرتے تھے۔ (۱۸)

رسول اکرم ﷺ سے روابط: قدیم مآخذ کی روایتی مجبوری تھی کہ وہ روایات و معلومات کی دستیابی اور عدم فراہمی کے پابند و اسیر تھے۔ جدید سیرت نگاروں اور ان میں سے تحقیق و تجزیہ کے دعوے داروں کا المیہ یہ ہے کہ وہ قدیم مآخذ کی روایات کی لکیر پر چلتے ہیں۔ تنقیح و تجزیہ کرتے نہیں اور روایات و اخبار کو بلا ترتیب و تہذیب اور بسا اوقات ناقص اختصار کے ساتھ بیان کردیتے ہیں۔ بیشتر صرف ایک دو مآخذ پر انحصار کر کے چلتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخصیات و اکابر کے سوانح ناکافی بیان کرتے ہیں واقعات و احوال کا ناقص بیانیہ پیش کرتے ہیں۔ اس طرز بیان اور تحقیق و پیش کش سے تاریخ نبویؐ اور سیرت طیبہؐ کا صرف ایک رخ ملتا ہے۔

www.shibliacademy.org

رسول اکرمؐ سے اکابر قریش وعرب کا خاص کر مکی زندگی میں ملاقات وارتباط کا بہت ہی سطحی نقشہ پیش کرتے ہیں۔ دوسرے اکابر قوم کے علاوہ حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ سے آپ کے ارتباط وتعلق کا سلسلہ حیات صرف ایک دو بار کی ملاقاتوں تک محدود نظر آتا ہے۔ جیسے طرفین ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ تھے اور طویل عرصہ حیات وکارکردگی میں صرف ایک دو بار ملے تھے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان اکابر قریش سے بالعموم اور خاص احناف میں حضرات زید بن عمرو عدویؓ اور ورقہ بن نوفل اسدیؓ سے روزانہ ملاقات کا سلسلہ رہتا تھا کہ سب اکابر وعوام روزانہ بیت اللہ کے طواف کے معمول کے عادی اور سماجی زیارتوں کے خوگر مستقل تھے۔

اس سماجی، دینی اور تاریخی تناظر میں حضرت زید بن عمرو بن نفیلؓ سے نبوی ملاقاتوں کا مطالعہ وتجزیہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ قدیم مآخذ اس مسلسل ارتباط وتعلق کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مختصر بحث میں اس کے چند ثبوت پیش کیے جاتے ہیں۔

صنم پرستی پر نکتہ چینی: رسول اکرمؐ اپنی فطرت سلیم کی وجہ سے اور اس سے زیادہ قبل بعثت حفاظت الٰہی کی بنا پر شرک سے سخت متنفر تھے۔ شرک کے تمام مظاہر خاص کر بتان قریش سے دور رہتے اور ان کے قریب تک نہ جاتے، ان کی پوجا اور عبادت کو ناپسند کرتے تھے (۱۹)۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعثت سے قبل رسول اکرمؐ کو بتوں کے پاس جانے اور ان کی پوجا سے روکنے کا سلسلہ ظاہر حضرت زید بن عمرو بن نفیل نے غالباً سب سے پہلے شروع کیا تھا جیسا کہ ابن اسحاق نے اپنی روایت یونس بن بکیر میں بلاغت سے بتایا ہے۔ اس حدیث نبوی میں صراحت ہے کہ حضرت زید ہی اولین شخص تھے جس نے بتان عرب پر نکتہ چینی کی اور مجھے ان کے پاس جانے سے روکا۔ (۲۰)

بتوں کے ذبیحوں سے ممانعت کا واقعہ: حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ سے ایک خاص ملاقات نبوی کا واقعہ دوران سفر سے متعلق ہے۔ ابن اسحاق کی روایت بکائی ابن ہشام میں خاصی ناقص اختصار کی شکار ہے جبکہ روایت یونس بن بکیر میں ایک اہم ترین تفصیل ملتی ہے۔ ابن ہشام کی روایت سب نے نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل سے اسفل بلدح (بلدح کے زیریں علاقے میں) قبل بعثت ملاقات کی اور ان کے سامنے ایک توشہ دان پیش کیا

www.shibliacademy.org

جس میں گوشت تھا تو انہوں نے اسے کھانے سے انکار کیا اور کہا: میں ان ذبیحوں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم اپنے بتوں پر بھینٹ چڑھاتے ہو اور نہ اس کا گوشت کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو"۔ اصلاً یہ روایت ابن سعد نے موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رسول اللہؐ سے مرفوع بیان کی ہے۔ روایت یونس بن بکیر میں زیادہ تفصیل ہی نہیں بہت قیمتی معلومات ہیں جن کو نکات کی صورت میں درج ذیل کیا جارہا ہے:

۱- رسول اللہؐ کی حدیث ہے کہ میں طائف سے حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ واپس آیا تھا، میں اس وقت نوجوان تھا۔

۲- مکہ کے بالائی علاقے میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کے پاس سے گذرا جہاں وہ مقیم تھے۔

۳-قریش نے ان کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہ آبائی دین قریش ترک کر چکے ہیں۔

۴- میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا توشہ دان جس میں بتوں کے ذبیحہ کا گوشت تھا اور زید بن حارثہ کے پاس تھا۔ ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا: چچا جان، اس کھانے میں سے حسب ضرورت تناول کیجیے۔ انہوں نے دریافت کیا، شاید اس میں بتوں کے ذبیحہ کا گوشت ہے؟ میرے اقرار پر انہوں نے فرمایا:

۵- بھتیجے، اگر آپ عبدالمطلب کی دختروں سے پوچھیں تو وہ بتائیں گی کہ ایسے ذبائح کو میں نہیں کھاتا۔ انہوں نے پھر بتوں کو باطل بتایا اور ان کی پوجا اور پوجا کرنے والوں پر سخت نکتہ چینی کی کیونکہ وہ ہمارے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔

۶- روایت میں فرمان نبوی بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد میں نے کبھی بت کو ہاتھ لگایا نہ ان پر کوئی جانور ذبح کیا، کیونکہ ان کے بارے میں مجھے معرفت حاصل ہو گئی تھی۔

۷- ایسی ہی ایک روایت یونس بن بکیر نے ہشام کلبی کی سند سے اختصار کے ساتھ اور بیان کی ہے جس میں صرف اصنام کے ذبائح نہ کھانے کا ذکر دونوں حضرات کے بارے میں کیا گیا ہے(۲۱)۔ بلاذری کی روایت موسیٰ بن عقبہ میں اس کا ذکر ہے مگر توشہ دان میں صرف لحم کا ذکر ہے۔

بلاذری کی روایت واقدی میں بتوں کی پرستش میں ذبیحوں کی رسم قریش کی ایک روایت

www.shibliacademy.org

پائی جاتی ہے۔رسول اکرمؐ اپنے اسفار میں حضرت زید بن حارثہؓ کو ہمیشہ ساتھ رکھا کرتے تھے اور برابر سفر بھی کیا کرتے تھے۔ایک سفر کے دوران آپؐ حضرت زیدؓ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے نزول فرما ہوئے تو حضرت زید بن حارثہؓ آپؐ کے ساتھ اترے، آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے اپنا توشہ دان طلب فرمایا اور دونوں نے ساتھ ساتھ کھایا جبکہ حضرت زید دین قریش پر نکتہ چینی کرتے تھے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ذبائح اصنام کے معاملہ میں متعدد روایات کتب حدیث و سیرت سے نقل کی ہیں اور ان میں بہت تضاد ہے۔ان میں ایک وہی ہے جس کا ذکر واقدی کے حوالہ سے بلاذری نے کیا۔بس فرق یہ ہے کہ وہ مختصر ہے اور اس میں سفر وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ دونوں کے ساتھ ساتھ ایک توشہ دان سے کھانے کا ذکر ہے اور حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کو شریک طعام ہونے کی دعوت کا ذکر ہے اور پھر موخر الذکر کے بتوں کے ذبائح نہ کھانے کا اور رسول اکرمؐ کا اس کے بعد ان سے پرہیز کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔حافظ موصوف نے ابویعلیٰ اور بزار وغیرہ کی ایک طویل حدیث اس ضمن میں حضرت زید بن حارثہؓ سے نقل کی ہے۔اس کے بنیادی نکات ہیں:

۱-حضرت زید بن حارثہ کلبیؓ ایک دن رسول اکرمؐ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپؐ سواری پر ان کے ''مردف'' تھے۔

۲- ہم نے ایک بکری بعض الانصاب پر ذبح کر کے اسے پکایا۔ پھر ہماری ملاقات حضرت زید بن عمرو عدویؓ سے ہوئی......۔

۳-حضرت زید نے فرمایا کہ میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی بکری/ذبیحہ کا گوشت نہیں کھاتا......حافظ موصوف نے اس کی توجیہات کی ہیں۔

حدیث میں مذکور نہیں کہ آپؐ نے اس ذبیحہ میں سے کچھ کھایا تھا۔دوسرے اس حدیث میں بکری کو بعض الانصاب پر ذبح کر کے پکانے کا ذکر ہے اس سے مراد اصنام قریش نہیں ہیں بلکہ گرم پتھر ہے جس کو بطور آلۂ ذبح اور بطور تنور استعمال کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ متعدد شارحین حدیث کے دلائل وتوجیہات کا جواب بھی دیا ہے۔اس پر بحث تجزیاتی مطالعہ میں آتی ہے جو آخر میں ہے۔ بلاذری کی ایک طویل روایت واقدی میں حضرت زید بن عمرو عدویؓ کے ایسے ذبائح

www.shibliacademy.org

سے پرہیز واجتناب کا عام ذکر ہے۔(۲۱)

نبی موعود کی بشارت حضرت زید عدویؓ: متعدد مآخذ سیرت و حدیث میں کئی بہت خوبصورت روایات آتی ہیں جو حضرت زید بن عمرو عدویؓ کی بشارات کے بارے میں ہیں۔ سیرت نبوی کا یہ باب بہت معروف ہے کہ علماء یہود، احبار نصاریٰ اور کہان (کاہنان) عرب نے نبی آخرالزماں کی آمد کی بشارتیں دی تھیں۔ حضرت زید بن عمرو عدویؓ کے بارے میں بیشتر مآخذ سیرت نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کو اہل کتاب کے علماء سے ان کا علم ہوا تھا۔ بیشتر روایات واحبار کا اصرار اس پر ہے کہ حضرت زید بن عمرو بن نفیلؓ کو شام کے اسفار کے دوران علماء اہل کتاب نے بتایا تھا۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان عیسائی مبشروں نے بنو اسماعیل میں نبی موعودؐ کی بعثت کی صراحت کی تھی جو دین حنیفی کا حامل ہوگا۔ ابن اسحاق/ابن ہشام کی روایت میں ہے ارض بلقاء کے مرکز علم و دین میں عیسائی راہب نے حضرت زید کو بتایا تھا کہ وہ تمہارے علاقے میں مبعوث ہوں گے۔ دوسرے علماء نے ان کو ہدایت کی تھی کہ وہ دین حنیفی اور دین ابراہیمی کے طالب ہیں تو اپنے علاقے میں لوٹ جائیں اور ان کا انتظار کریں۔ بلاذری کی طویل روایت واقدی میں یہ اضافہ خاص ملتا ہے نبی موعودؐ خاص شہر مکہ میں مبعوث ہوں گے جو نہ صرف دین حضرت ابراہیمؑ کی طرف دعوت دیں گے بلکہ عربوں سے قتال کریں گے اور عجم کو بھی توحید کی طرف بلائیں گے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکیں گے۔ اگلی روایت واقدی میں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ ایک نبی مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوں گے جو اس کے اہل کے عمدہ خاندان سے ہوں گے اور تمام عربوں میں سب سے زیادہ بااخلاق ہوں گے اور اصابت (اثرات) کے لحاظ سے ان میں سے سب پر غالب ہوں گے: "ان نبیًا یخرج بمکة من اواسط اھلا نسبا ، واحسنھم خلقا ، واظھرھم اصابة ......" پھر فرماتے تھے کہ اگر میں ان کو پالوں گا تو ان پر ایمان لاؤں گا اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا: "ولئن ادرکته لأومنن به ولا قاتلن معه" ۔متعدد دوسری روایات مآخذ میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ کی بشارت نبی، ان پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے کا بیان آتا ہے مگر قتال و جہاد کا ذکر صرف اسی میں ہے۔ ابن سعد کی روایت وحدیث حضرت عامر بن ربیعہ عنزی میں ان کی صراحتوں اور بشارتوں کے علاوہ ان کی حسرت کا بھی ذکر ہے کہ میں ان کو نہیں پاسکوں گا۔

www.shibliacademy.org

اس کے باوجود وہ غائبانہ آپؐ پر ایمان لائے تھے، آپؐ کی تصدیق کی تھی اور گواہی دی تھی کہ آپؐ نبی صادق ہیں۔ابن کثیر نے واقدی کی روایت حضرت عامر بن ربیعہؓ میں کچھ قیمتی اضافے کیے ہیں: ''ان میں رسول اکرمؐ کی نعت (شمائل) ہیں کہ آپؐ نہ لمبے ہوں گے، نہ ٹھگنے، ان کے موئے مبارک زیادہ ہوں گے نہ کم، چشم نبوی سرخی سے بھرپور رہیں گی، ان کی خاتم نبوت ان کے شانوں کے درمیان ہوگی، اسم گرامی احمد ہوگا، یہ شہر ان کا مولد ہے اور مقام بعثت بھی، وہاں سے ان کی قوم ان کو نکال دے گی کیونکہ وہ ان کے پیغام سے نفرت کرے گی، وہ یثرب ہجرت کر جائیں گے اور ان کا معاملہ غالب ہوگا۔تم خبردار رہنا کہ ان سے بے خبر رہو۔ میں طلب دین ابراہیم میں شہروں شہروں مارا پھرا ہوں اور یہود و نصاریٰ اور مجوس سے اس دین کے بارے میں دریافت کرتا رہا ہوں، انھوں نے آپؐ کے یہی شمائل و اوصاف بتائے ہیں جو میں نے تم کو بتائے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے سوا اور کوئی نبی باقی نہیں رہا......''۔ (باقی)

تعلیقات و حواشی

(۱) حنیفیت یا دین حنیفی کی طرف رجوع کی زمانہ جاہلیت میں تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ خاکسار ''جاہلی عہد میں حنیفیت'' معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۲۰۰۳ء؛ دوسرا مقالہ ''ملت حنیفیہ حواشی فتح الرحمٰن'' میں معارف اعظم گڑھ فروری ۲۰۰۴ء۔

(۲) حضرت ابو کبشہ کے نام و شخصیت پر بڑا اختلاف ہے مگر روایات کا اتفاق اس پر ہے کہ حنیفیت کی دعوت دینے والے کو بالعموم ''ابو کبشہ'' کے نام و کنیت سے پکارا جاتا تھا۔اس طرح کئی حضرات احناف اس نام نامی سے موسوم و مشہور ہوئے۔غالباً وہ یا اولین حضرت ابو کبشہ کا اثر زیادہ گہرا اور دیرپا رہا لہٰذا ان کا نام و کام زیادہ چلا اور ہر دور میں ان کا تذکرہ رہا۔رسول اکرمؐ کو شروع میں اسی دین حنیفی کی طرف مراجعت کی پکار کے سبب ''ابن ابی کبشہ'' کے نام سے بھی یاد کیا گیا لیکن بعض روایات میں صرف قریش کی مخالفت کو وجہ تسمیہ بتایا گیا ہے۔بلاذری انساب الاشراف، مرتبہ یوسف المرعشلی، المعہد الالمانی الخ، بیروت ۲۰۰۹ء، ۱/۲۲۷-۲۲۸، وجز بن غالب خزاعی کو ابو کبشہ کہا جاتا تھا اور ان کی کنیت ابو قیلہ تھی۔ وہ سید خزاعہ تھے اور رسول اکرمؐ کے جد مادری تھے۔زبیری، نسب قریش، مرتبہ لیفی بروفنسال، دارالمعارف مصر ۱۹۵۳ء، ۲۶۱-۲۶۲۔ابو کبشہ خزاعی کو الشعریٰ کی عبادت کی مخالفت کی بنا پر قریش نے یہ نام دیا تھا جس سے وہ حنیف نہیں معلوم ہوتے۔رسول اکرمؐ کو ابن ابی کبشہ پکارنے کے لیے ملاحظہ ہو: بلاذری ۱/۲۲۸، ۸۰۸؛ زبیری، ۲۶۲۔رسول اکرمؐ کو بھی

www.shibliacademy.org

ابن ابی کبشہ صرف اس لیے کہا تھا کہ آپؐ نے قریش کی مخالفت کی تھی: ”خالف کما خالف ابو کبشۃ“ ۔ بلاذری ۱/۸۰۸: حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ نے غزوہ احد کے بعد آپؐ کو ”ابن ابی کبشہ“ کہہ کر پکارا تھا۔ (۳) بنیادی قدیم مآخذ ہیں: ابن اسحاق/ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ حمدی، مکتبہ المورد قاہرہ ۲۰۰۶ء، ۱/۱۴۸ ومابعد۔ زبیری مصعب بن عبداللہ، کتاب نسب قریش مرتبہ لیفی بروفنسال، دارالمعارف مصر ۱۹۵۳ء، ۳۴۷ وغیرہ؛ بخاری/فتح الباری (ابن حجر عسقلانی)، مکتبہ دار فیحاء دمشق ۱۹۹۷ء، ۱۷۹/۷-۱۸۴؛ بلاذری، انساب الاشراف مرتبہ مختلف محققین بالخصوص ،۱/ (یوسف مرعشلی) ۵/۵۴۰ وغیرہ؛ احسان عباس) وغیرہ، مطبوعہ المعہد الالمانی لابحاث الشرقیہ بیروت ۲۰۰۹ء (دس جلدیں)؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، طباعت جدید دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۹۵ء (چار مجلدات میں)؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۳۲ء، ۲/۲۳۷-۲۴۳ ذکر زید بن عمرو بن نفیلؓ)۔ (۴) زبیری؛ ابن اسحاق /ابن ہشام اور بخاری/فتح الباری مذکورہ بالا؛ ابن کثیر ۲/۲۳۷: اس میں بخاری کے علاوہ بعض دوسری کتب حدیث و سیرت کی روایات بھی ہیں جیسے نسائی، ابواسامہ، موسیٰ بن عقبہ، یونس بن بکیر، طیالسی، مسعودی، واقدی وغیرہ۔ نسب کی تفصیلات زبیری کی روایت میں ہیں اور تجزیہ سے اوپر کی بحث کی گئی ہے۔ ابن اسحاق/ابن ہشام نے حضرت عمر بن خطاب عدویؓ اور ان کے والد خطاب بن نفیل کے حوالے سے ان کی رشتہ داری بتائی ہے، فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کو حضرت عمرؓ کا ابن عم بتایا ہے اور ان کے نسب کا ذکر ان کے ترجمہ کے حوالے سے۔ ان کے اگلے مباحث کا ذکر آگے آتا ہے۔ (۵) زبیری ۳۴۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ۵/۳۴۶ اور ۵۲۰ (محقق جلد دکتور احسان عباس)، دونوں میں قریش کے ان سے فیصلہ کرانے کے جملے یکساں ہی ہیں۔ (۶) بلاذری ۵/۳۵۸-۳۶۱؛ ابن اسحاق/ابن ہشام وغیرہ کے اس باب میں حوالے آگے آتے ہیں۔ (۷) زبیری ۳۴۷؛ ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۴۸ ومابعد؛ بلاذری ۵/۳۵۸-۳۶۱ وغیرہ؛ ابن کثیر مذکورہ بالا۔ باپ کے مرنے کے بعد ان کی کسی منکوحہ اور اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لینے کا ایک امیرانہ کام بعض اکابر نے کیا تھا۔ اسے عام وخاص عرب ناپسندیدہ نکاح (نکاح المقت) کہتے تھے اور وہ دین حنیفی اور تہذیب وسماج قریشی میں بھی حرام ہی تھا۔ وہ عام وبا نہ تھی کہ باپ کی منکوحہ عورتیں وارثوں میں بالعموم بٹ جاتی تھیں جیسا کہ بعض مفسرین ومولفین نے بیان کیا ہے۔ امام ابن قتیبہ دینوری نے دس پندرہ اکابر کے نکاح المقت کا ذکر کر کے کہا ہے کہ وہ صرف ایک خاص طبقہ متمردین تک محدود تھا۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب المعارف اردو ترجمہ علی محسن صدیقی، قرطاس کراچی ۲۰۱۲ء، ۲/۱۷۴-۱۷۷؛ مقالہ خاکسار ”جدید اردو تفاسیر میں نکاح المقت کی تفسیر“، مشمولہ علوم القرآن علی گڑھ، خاص اشاعت اسلام کا خاندانی نظام ۲۰۱۱ء۔ (۸) عرب سماج میں جاہلی دور میں

www.shibliacademy.org

بھی اور اسلامی نبوی ادوار میں بھی خواتین عرب وقریش یکے بعد دیگرے متعدد مردوں سے شادی کرتی تھیں۔ اول شوہر کی زندگی میں طلاق وجدائی کے بعد یا اس کی وفات کے بعد۔ متعدد شوہروں سے ان کی اولادیں ہوتیں جن کے باپ الگ الگ ہوتے، ان کو بالعموم ماں جائے بھائی/بہن (اخوۃ/اخوات لام) کہا جاتا تھا۔ ماہرین نسب وسیرت ان کا بالعموم ذکر کرتے ہیں۔ نسبی قرابت واہمیت کے علاوہ ان کی سماجی اور تہذیبی تاثیر بھی تھی۔ ان ماں جائے بھائی بہنوں میں باہمی محبت ویگانگت کے رشتے ہوتے تھے۔ اکابر کے درمیان یہ مادرانہ یگانگت وقرابت کے روابط سماجی وسیاسی اور دیگر معاملات پر اثر انداز ہوتے تھے۔ یہ ایک اہم سماجی مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو زبیری، ابن اسحاق/ابن ہشام، بلاذری وغیرہ مذکورہ بالا۔ (۹) زبیری ۳۶۵؛ بلاذری ۵/۴۴ وغیرہ؛ اصابہ (ابن حجر عسقلانی): ۳۲۶۱، ابن اثیر، اسد الغابہ ۱/۱۳۱ ومابعد؛ ۵/۴۹۷-۴۹۹۔ (۱۰) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۵۱، حضرمی کا نام عبداللہ بن عماد بن اکبر تھا۔ ان کا تعلق بنو کندہ سے تھا۔ دوسری مجروح روایت بھی دی ہے؛ ابن سعد ۸/۳۸۱ (مجلد چہارم ۳۸۱ ومابعد)۔ (۱۱) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۲۵ ومابعد۔ نیز اسد الغابہ، اصابہ، زبیری، بلاذری وغیرہ کے حوالے وروایات جن میں حضرت خدیجہؓ وغیرہ کی عمروں کا ذکر ہے۔ (۱۲) ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۴۸ ومابعد؛ ابن سعد ۳/۲۰۳ ومابعد (تذکرہ حضرت سعید بن زیدؓ میں)؛ ابن کثیر مذکورہ بالا؛ بلاذری ۵/۵۲۰-۵۲۴: مختلف روایات ان کی حنیفیت کے بارے میں ہیں۔ لیکن دوسرے احناف کے حوالہ سے نہیں ہیں۔ ابن اسحاق روایت یونس بن بکیر مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، نقوش رسول نمبر: ۱۱، ۱۹۸۵ء، ۱۱۵-۱۱۶ ومابعد میں ابن ہشام کی روایت بکائی پر کچھ اضافہ ملتا ہے۔ حضرت زید اور ان کے ساتھ احناف کے بارے میں یہ ہے کہ چاروں احناف قوم سے الگ ہونے کے بعد ایک مجلس خلوت میں جمع ہوئے اور باہم سچائی کا عہد اور اس کی پاسداری کا فیصلہ کیا اور قومی مخالفت کے خیال سے ایک دوسرے کا راز فاش نہ کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ان میں حضرت زید سب سے منصف مزاج اور راست باز تھے۔ (۱۳) ابن سعد ۳/۲۰۳-۲۰۴۔ ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۴۹ میں حضرت زید عدویؓ کے اوثان، مردار، خون، ذبائح اصنام اور قتل موءودہ کا ذکر ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے رب کی عبادت کرنے کا بھی۔ (۱۴) ابن سعد ۳/۲۰۴؛ ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۴۹؛ ابن کثیر مذکورہ بالا بحوالہ ابن سعد؛ ابن اسحاق/ابن ہشام ۱/۱۴۹ میں حضرت اسماءؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ معشر قریش، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی دین ابراہیمی پر میرے سوا نہیں قائم ہے۔ پھر دعا مانگتے: اے اللہ اگر میں جانتا کہ کون سی طرز عبادت تجھے محبوب ہے تو اسی پر تیری عبادت کرتا لیکن میں اسے نہیں جانتا، پھر وہ اپنی سواری پر سجدہ کرتے: "ثم یسجد علی راحلتہ" بلاذری ۵/۵۲۳ (تذکرہ حضرت سعید بن زیدؓ)۔ اس میں سجدہ کا

www.shibliacademy.org

مقام راحتہ بتایا گیا ہے جو دوسری روایات میں بھی ہے۔(۱۵)ابن سعد ۳/۲۰۴:''...... ثم یقول : الشاة خلقها الله وانزل من السماء ماء وانبت لها من الارض ثم یذبحونها علی غیر اسم الله ، انکارا لذلک واعظاما له لا آکل مما لم یذکر اسم الله علیه'' ۔زبیری،۳۶۴:''...... وکان یقول : یا معشر قریش ، ارسل الله قطر السماء ، وانبت بقل الارض ، وخلق السائمة ورعت فیه ، وتذبحونها لغیر الله ؟ والله ما اعلم علی ظهر الارض احدا علی دین ابراهیم غیری......'' ۔ابن کثیر ۲۴۰/۱ومابعد:یقول : الٰهی اله ابراهیم و دینی دین ابراهیم ویسجد ۔(۱۶)ابن سعد ۳/۳۰۴:یہ روایت حضرت اسماء سے ان کے بھانجے عروہ بن زبیر نے روایت کی ہے اوران کی سند سے امام ابن سعد تک پہنچی تھی جس کا ذکران کی سند میں ہے۔ابن کثیر ۲۴۱/۲ نے مزید بیان کیا ہے کہ حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے خط کے ذریعہ یہ روایت حاصل کی تھی۔ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی بعض روایات پر نقد بھی یہاں کیا ہے کہ ان میں سے بعض ''شدید نکارت'' پائی جاتی ہے۔(۱۷)ابن اسحاق بروایت یونس بن بکیر مذکورہ بالا ،۱۱۵/۱۱-۱۱۶۔مترجم کا اردو ترجمہ بہت اچھا نہیں ہے۔اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ پیغمبروں ، احناف اور بزرگوں کے لیے احترام وعقیدت کی زبان اور شرافت وتہذیب کے صیغے استعمال نہیں کرتے۔عربی میں واحد کے لیے واحد کا صیغہ صحیح ہوسکتا ہے اردو کی تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی۔ابن کثیر مذکورہ بالا بحوالہ شعر حضرت زید بن عمروؓ و بروایت طیالسی از مسعودی ۔(۱۸) بلاذری ۵۲۳/۵ پیرا : ۹/۵۸۷ : ''......وبنی خیمة بحراء یتحنث فیها واعتزل قریشا فسموه الراهب'' ۔(۱۹) بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار ''بعثت سے قبل عصمت نبوی، جہات الاسلام لاہور، جلد ۲، شمارہ ۱۔(۲۰) ابن اسحاق بروایت ابن بکیر مذکورہ بالا۔ غالبًا عربی روایت میں فعل ماضی کے استعمال سے اسے صرف ایک بار کا واقعہ سمجھ لیا گیا جیسا کہ عام خیال میں آتا ہے۔اکابر وشخصیات سے تعلقات میں اور دوسرے واقعات واحوال کی گردشوں میں بھی فعل ماضی کی یہی کاریگری نظر آتی ہے حالانکہ اردو میں اور عربی میں بھی اس جیسے معاملات میں تسلسل کی زبان وپیرایہ ہوتا ہے کہ یہی وہ شخص تھے جو نکتہ چینی کرتے تھے اور بتوں سے روکتے تھے۔(۲۱) ابن اسحاق روایت یونس بن بکیر مذکورہ بالا ،۱۱۸/۱۱-۱۱۹؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ۱۸۱/۷-۱۸۲؛ ابن سعد ۳/۲۰۴؛ بلاذری ۵۲۱/۵:''...... انه لقی زید بن عمرو باسفل بلدح ، وذلک قبل النبوة ، فقدم الیه رسول الله ﷺ سفره فیها لحم ، فابی ان یاکل منها ثم قال : انی لا آکل مما تذبحون علی انصابکم ولا آکل مما لم یذکر اسم الله علیه'' ۔بلاذری ۵۲۳/۵: پیرا: ۱۰/۵۸۷؛ ابن کثیر مذکورہ بالا۔

www.shibliacademy.org

نواب صادق خان خامس

(۱۹۰۴-۱۹۶۶ء)

اوران کی مدح میں چند فارسی قصائد

ڈاکٹر عصمت درانی*

۱۷۲۷ سے ۱۹۵۵ء تک مشتمل تاریخ کی حامل، پاکستان میں شاندار تاریخی ورثے کی امین ریاست بہاول پور، شعروادب کے حوالے سے بھی ایک مردم خیز خطہ ثابت ہوئی ۔ بالخصوص اوچ شریف ایک اہم علمی، تمدنی اور تدریسی مرکز قرار پایا۔ نوابین بہاول پور کی سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی سرگرمیوں کے علاوہ، اس کے بیدار مغز حکمرانوں نے تعلیمی اداروں ، اعلیٰ درس گاہوں ، کتاب خانوں، شفاخانوں، مساجد، محلات اور قلعہ جات کی تعمیر سے بجا طور پر ''دارلسرور'' بنا دیا۔

۱۹۴۷ء میں بعد از قیام پاکستان اس وقت کے موجود نواب صادق محمد خامس (۳۰ر ستمبر ۱۹۰۴ء - ۲۸ر مئی ۱۹۶۶ء) نے، جن کے دور کو ترقی وخوش حالی اور بہترین نظام حکومت کے حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے، اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا۔ اس کے بعد خدمات کی ایک طویل فہرست ہے جو اس ریاست نے انجام دیں اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں نواب صادق محمد خان کی تعلیمی، دینی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کیے جانے والے اقدامات اور کارناموں کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ ریاست بہاول پور کو اس دور میں نواب صادق خان خامس کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر بلا شبہ ایک مکمل اسلامی، فلاحی اور خوشحال ریاست قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ زبان وادبیات فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور۔

www.shibliacademy.org

ریاست بہاول پور میں ماہرین علم وفن، ادبا، شعراء اور علماء کی ہمیشہ قدردانی کی جاتی رہی نواب بہاول خان اول نے ۱۷۴۸ء میں شہر بہاول پور کی بنیاد رکھی اور شہر بسانے کے لیے انہوں نے مختلف فنون کے ماہرین، علماء اور دست کاروں کو شہر میں رہنے کی ترغیب دی (۱)۔ فارسی زبان کے عالم اور منشی دولت رائے، نواب محمد بہاول خان ثانی کے خاص ملازمین میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے نواب بہاول خان ثانی کے دور حکومت کے واقعات اپنی فارسی کتاب ''مرآت دولت عباسی'' میں لکھے (۲)۔ نور العین واقف، میر غالب علی خان، مرزا عرفی وفروغی ان کے دربار کے علماء اور میاں غلام سرور، آدھنت رائے اور سلامت رائے انشا پرداز تھے (۳)۔ نواب صادق محمد خان ثانی نے مولوی محمد اعظم کو تاریخ نویس اور منشی مولرام کو میر منشی مقرر کیا جس سے ان کی علم دوستی جھلکتی ہے۔ اس وقت ڈیراور میں، جو بہاول پور کا دارالحکومت تھا، ایک عظیم الشان دارالانشاء قائم تھا جہاں بہت سے لوگ تاریخ لکھنے پر مامور تھے۔ نواب محمد بہاول خان ثالث عباسی کے دور میں ''تذکرۃ الخوانین'' المعروف ''جواہر عباسیہ'' کے نام سے بہاول پور کی تاریخ لکھی گئی۔ ان کے دربار میں میر منشی مولرام اور سرپرست توشہ خانہ منشی سلامت رائے تھے جو صاحب طرز انشاء پرداز تھے۔ نواب صادق محمد خان رابع میں علم اور آرٹ کو فروغ دینے کا جذبہ موجود تھا۔ ان کے عہد میں کاریگر اور اہل علم دور دراز کے علاقوں سے آئے۔ مشائخ، ادباء اور شعراء سے انہیں لگاؤ تھا۔ اس زمانے کے معروف روحانی پیشوا حضرت خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف سے ۱۸۸۰ء میں بیعت کی۔ جو سرائیکی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ایک اسکول قائم کیا جو ۱۸۸۶ء میں صادق ایجرٹن کے نام سے مشہور ہوا (۴)۔ انگریز حکومت نے انہیں جی سی ایس آئی کا خطاب دیا۔ عدل وانصاف اور روشن دماغ ہونے کی وجہ سے وہ ''صبح صادق'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ نواب بہاول خان خامس بھی شعر وادب میں خصوصی دلچسپی اور ذوق رکھتے تھے۔ نواب صاحب نے ۱۹۰۲ء میں ''گلزار شجاعت'' نام سے کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ قصہ شہزادہ اسحاق اور نور الزمان نامہ بھی لکھا (۵)۔ شہزادہ مرزا عبدالغنی ارشد سے ان کا کلام سنتے اور محظوظ ہوتے تھے۔ نواب صادق محمد خان خامس بھی علم وادب کے بہت بڑے قدردان اور سرپرست تھے۔

www.shibliacademy.org

ریاست بہاول پور کے آخری نواب، نواب صادق خان خامس خود بھی عمدہ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔نواب صاحب نے ۱۹۳۵ء میں سیرت رسول ﷺ پر ایک کتاب ''رسول صادق'' نام سے تصنیف فرمائی، جو مرکز اشاعت سیرت جالندھر سے شائع ہوئی۔انہوں نے صادق گڑھ محل میں ایک شاندار کتب خانہ قائم کیا اور اسے ''کتب خانۂ سلطانی'' کا نام دیا۔انہوں نے دوسرا کتب خانہ، بہاول پور کے مضاف میں ڈیرہ نواب کے قدیم محل میں قائم کیا جسے ''بیرونی کتب خانہ'' کہا جاتا تھا۔ان کتب خانوں میں ایک محتاط اندازے کے مطابق چھتیس ہزار کے قریب نایاب کتب اور نادر مخطوطات جمع تھے۔نواب صاحب کے شوق کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سال بھر ملکی اور غیر ملکی اشاعتی اداروں کی ارسال کردہ فہرستوں میں سے کتابوں کا انتخاب کرتے اور ان میں سے ہر کتاب کے تین نسخے خریدے جاتے۔ان میں سے ایک نسخہ صادق گڑھ محل کے کتب خانہ سلطانی میں رکھا جاتا، دوسرا اسینٹرل لائبریری بہاول پور اور تیسرا ایس ای کالج بہاول پور کی لائبریری میں محفوظ کیا جاتا۔اس کے علاوہ ہر سال یورپ کے سفر کے دوران کثیر تعداد میں کتب خریدتے جو بڑے بڑے ڈبوں میں بند ہوکر آتیں (۶)۔نواب صاحب ایک بار حجاز کے سفر پر گئے تو وہاں سے کئی نادر مخطوطات ساتھ لائے جن کی تفصیل ''صادق الاخبار'' میں موجود ہے۔اس طرح نوابان بہاول پور کی ذاتی کاوشوں اور زر کثیر کے صرف سے صادق گڑھ محل کے ''کتب خانہ سلطانی'' میں قدیم مذہبی کتب، مصاحب، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علم کلام، تاریخ و ادب، فارسی ادب اور دیگر علوم کی قلمی اور مطبوعہ تصنیفات کثیر تعداد میں جمع ہوئیں (۷)۔عزیز الرحمٰن عزیز (۱۸۷۳-۱۹۴۴م) جو اس کتاب خانے کے کتاب دار بھی رہے، اس کتب خانہ عالیہ کے قلمی نسخوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اعلیٰ حضرت سلطان العلوم حضور سرکار ابد قرار فرماں روائے بہاول پور دام اقبالہ و ملکہ کے میوزیم میں جو قلمی کتاب خانہ موجود ہے، وہ قدامت، خط اور تصاویر کے لحاظ سے بے نظیر اور قابل دید ہے۔خاندان عالیہ عباسیہ کو ابتدا سے جو علم پروری اور قدردانی علوم و فنون کا امتیاز حاصل رہا ہے اس کا نمونہ صحیح طور پر بہاول پور کی عجائب روزگار کتابوں کے دیکھنے سے آنکھوں کے

www.shibliacademy.org

سامنے آجاتا ہے۔ بہت سی کتابیں اصل مصنفوں کی قلمی موجود ہیں اور بعض اس قدر عرصہ سے محفوظ ہیں کہ ان کی حفاظت اور احتیاط دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہوجاتا ہے‘‘۔(۸)

نواب صادق خان خامس کے دور میں ریاست بہاول پور کی دو تاریخیں ’’صادق التواریخ‘‘ اور ’’صبح صادق‘‘ لکھی گئیں۔ عبدالمالک صادقی معروف شاعر، نواب بہاول خان خامس کے مقرب تھے اور اسی وجہ سے ’’صادقی‘‘ تخلص اختیار کیا اور ’’علامہ صادقی‘‘ کے نام سے شہرت پائی (۹)۔ نواب صادق خان خامس کے دور میں سر عبدالقادر جیسی علمی وادبی شخصیت کو چیف جسٹس مقرر کیا گیا اور ان کی زیر سرپرستی ۲۹؍اپریل ۱۹۴۳ء میں، بہاول پور میں کل ہند مشاعرے کا انعقاد ہوا۔(۱۰)

نواب صاحب کی ذاتی قابلیت وصلاحیت کے متعلق عزیز الرحمٰن عزیز لکھتے ہیں:

’’آپ ہندوستان کی اکثر زبانوں اردو، ہندی، سندھی، پنجابی کے علاوہ انگریزی، فارسی میں اہل زبان کی طرح پوری طاقت اور روانی کے ساتھ فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے ہیں، عربی، فرنچ اور پشتو بھی بقدر ضرورت جانتے ہیں بلکہ آپ ان زبانوں میں اس قدر قابلیت اور موزونیت کے سرمایہ دار ہیں کہ ان زبانوں میں شعر بھی کہہ سکتے ہیں‘‘۔(۱۱)

انگریزی زبان میں ایک نعت انھوں نے مدینہ میں قیام کے دوران تحریر کی جو مسلم آوٹ لک لاہور میں غالباً ۱۹۳۲ء میں چھپی تھی، اس کا فارسی ترجمہ مولوی معراج الدین صاحب سابق چیف ایڈیٹر اورینٹل گزٹ لاہور کا عطیہ ہے۔

بہر حضوری خویش را پیش حضور آوردہ ام
لطفی بکن برجان و دل امید ہا پروردہ ام
من بحر و برّ طی کردہ ام قطع نمودم شہر ہا
بر آستانت آمدم گوی ز شاہان بردہ ام
بگذاشتم کوہ گران باد سموم و ریگ را
اکنون رسیدم بر درت زخم جدائی خوردہ ام

www.shibliacademy.org

ای قاسم نور خدا یک ذرۂ نوری بما

از ظلمت عصیان خویش افسردہ و پژمردہ ام

ای مخزن جود و کرم منگر سوی محرومی ام

ای خسرو عرب و عجم من دامنی گستردہ ام

جز تو ندارده در جہان ہمدرد و مونس ہیچ کس

ای چارۂ بی چارگان غم دیدہ و آزردہ ام

ای افتخار انس و جان ای نازش قد و سیان

من در ہجوم زائران عجز و خلوص آوردہ ام (۱۲)

نواب صاحب کی قدردانی علم وفن کے متعلق عزیز الرحمٰن عزیزؔ لکھتے ہیں:

''قدردانی علم وفن آپ کو اپنے اسلاف سے وراثۃً ملی ہے ۔ دنیا میں خلفائے عباسیہ کی علم نوازی اور فن پروری مشہور ہے ۔اس سلسلہ میں یہی لکھ دینا کافی ہے کہ اعلیٰ حضرت انہیں خلفائے عباسیہ کی اولاد میں سے ہیں ۔اور ان کے تمام محاسن اور محامد کے صحیح طور پر مالک اور وارث ہیں ۔ علماء وفضلاء، شعراء وظیفہ خوار ہیں ۔تمام ہندوستان کی علمی جماعتیں فیض یاب ہورہی ہیں ۔ خاص اہل فن کی قدردانی خاص طور پر کی جاسکتی ہے ۔تعلیم تمام ریاست میں عام کردی ہے ۔ ابتدائی تعلیم مفت ہے ۔ اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بے شمار سہولتیں مہیا کی گئی ہیں ۔کئی قسم کے وظائف دیے جاتے ہیں ۔ اور ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے''۔(۱۳)

نواب صادق خان خامس کا لقب ''صادق دوست'' تھا ۔ یہ لقب عوام کی جانب سے پیش کردہ تھا ۔نواب اپنی رعایا کے سچے دوست تھے ۔ متحدہ ہندوستان کی خوشحال ترین ریاست بہاول پور کے محض ایک فرمان رواں ہی نہیں بلکہ ایسی اولوالعزم شخصیت کے طور پر تاریخ کے صفحات کے ساتھ ساتھ اپنی رعایا کے دلوں میں بھی یادرکھے گئے کہ جو بیک وقت حسن اخلاق ، حسن صورت، حسن سیرت ، دردمندی ، فیاضی ، عدل گستری ، معاملہ فہمی ، دوراندیشی اور علم نوازی کی

www.shibliacademy.org

عملی تفسیر تھے۔عوام کو اپنے نواب سے والہانہ محبت وعقیدت تھی جس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوا۔۱۹۴۵ء میں ''ارباب ادب'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم کا آغاز ہوا۔اس تنظیم نے ۱۹۴۵ء میں ''ارمغان ادب'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا (۱۴)۔اس میں بزم کے اغراض ومقاصد کے علاوہ نواب صادق محمد خان خامس کی شان میں نظمیں اور ولی عہد عباس خان عباسی کی شادی کے موقع پر سہرے شائع کیے گئے ۔جن شاعروں نے سہرے لکھے ان میں پروفیسر شجاع احمد ناموس، حکیم عبدالحق شوق، دلشاد کلانچوی، دیوی دیال آتش اور سیف اللہ خان فاروق کے نام شامل ہیں (۱۵) ۔سر عبدالقادر نے ۱۹۴۲ء میں چیف جسٹس کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے اور ۱۹۴۲ء میں ہی ''صادق آرٹ سرکل'' کی بنیاد رکھی ۔اس سرکل نے کئی مشاعرے کروائے۔نواب صادق خان خامس سے شعراء نے اپنی محبت کا اظہار وقتاً فوقتاً اشعار کی صورت میں کیا،جن میں سے ایک مختصر انتخاب زیر نظر مضمون میں درج کیا جارہا ہے۔

اس کا آغاز ۲۹/اور ۳۰/ستمبر ۱۹۰۴ء کی درمیانی شب مطابق جمعۃ المبارک ۱۹/رجب المرجب ۱۳۲۲ھ سے ہوتا ہے جب کاشانۂ سلطانی میں نواب صادق خان خامس کی ولادت ہوئی ۔ریاست میں اس موقع پر عظیم الشان جشن منائے گئے ۔ریاست کے شعراء نے بھی اس موقع پر اپنے اشعار کے ذریعے اپنی بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

عزیز الرحمٰن عزیزؔ (۱۸۷۳-۱۹۴۴ء) ''حیات بہاول خان خامس'' میں لکھتے ہیں:

> ''شعراء نے بھی اس پر مسرت موقع پر تہنیت نامے، قصیدے اور تاریخیں لکھ کر پیش کی تھیں۔شہزادہ مرزا محمد عبدالغنی صاحب ارشد گورگانی دہلوی بھی تشریف لائے تھے۔ان کے لیے تحریک ہوئی کہ ان کا قصیدہ تہنیت دربار میں سنا جائے اوران کو شرف سلام کی عزت بخشی جائے۔نواب صاحب بہادر کو چونکہ ہر ایک تقریب میں اپنے اہل ریاست کی ہمت افزائی اور قدردانی کا خیال رہتا تھا اورریاست کے باکمال نوجوانوں کو ہر میدان میں موجود رکھنا ان کی خوشگوار خواہش کا متقاضی تھا۔اس موقع پر شہزادہ مرزا ارشد کے ساتھ راقم ناچیز عزیز کو بھی تاریخ تہنیت بارگاہ خسروی میں پڑھنے کی عزت عطا کی گئی''۔

www.shibliacademy.org

ذیل میں ملاحظہ ہو:

چون به مشکوی شه عالیجناب
داد حق شهزادهٔ نیکو سرشت
پر شد از آوازهٔ شکر خدا
مسجد و دیر و کلیسا و کنشت
نو نہال گلشن عباسیان
کرد دولت خانه را رشک بہشت
سال تاریخش عزیز نکته سنج
"مردم چشم بہاول خان" نوشت (۱۶)

۱۳۲۲ھ

مزید لکھتے ہیں:

"نواب صاحب بہادر نے مادۂ تاریخ سن کر اظہار مسرت وشادمانی فرمایا"۔(۱۷)

مولوی عزیز الدین ،خوشنویس دولت عالیہ عباسیہ بہاول پور نے درج ذیل تاریخی رباعیاں کہیں:

صد مبارک ای بہاول خان پنجم مر ترا
بر سپہر سلطنت تابیده ماه خوش نما
بہر تاریخ تولد عرض کردم پیش دل
"گفت پیدا شد زہی صادق محمد خان ما" (۱۸)

۱۳۲۲ھ

به مشکوی بہاول خان خامس
عطا فرمود حق پور خلافت

www.shibliacademy.org

چو پرسیدم پی سال تولد
فلک گفتا بگو "خان ریاست" (۱۹)

۱۳۲۲ھ

بہ کاشانۂ فخر عباسیان
خداداد فرزند بیدار بخت
عزیزا سن عیسوی فکر تو
بگفتا "چہا مالک تاج تخت" (۲۰)

۱۳۲۲ھ

مولوی عبدالمالک صادقی (۱۸۵۵-۱۹۴۱ء) نے، جو اس وقت نائب مشیر مال تھے، ذیل کا مادہ لکھا:

"ای ولی عہد جہاندار ریاست مرحبا" (۲۱)

۱۳۲۲ھ

نواب بہاول خان خامس (۱۸۸۳-۱۹۰۷ء) کی وفات کے بعد ۵؍مئی ۱۹۰۷ء کو صادق گڑھ پیلس میں نواب صادق خان خامس کی رسم دستار بندی ہوئی اور اپنے باپ کی جگہ وارث تخت و تاج قرار پائے، لیکن کم سن ہونے کی وجہ سے ریاست کے انتظام اور نواب صاحب کی تعلیم و تربیت کے لیے حکومت برطانیہ نے آئی سی ایس آفیسر سر رحیم بخش کی سربراہی میں اگست میں کونسل آف ریجنسی قائم کی (۲۲)۔ سر لوئیس ڈین صاحب بہادر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب جب ۲۳؍نومبر ۱۹۰۸ء کو ڈیرہ مبارک تشریف لائے تو انہوں نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ کہے:

"یہ تیسرا نواب ہے کہ میں دیکھتا ہوں۔ سر صادق خان رابع مرحوم کو مسند پر بٹھایا۔ اس وقت سر ایجرٹن صاحب لیفٹیننٹ گورنر تھے اور میں ان کا پرائیویٹ سکریٹری تھا۔ پھر نواب محمد بہاول خان کو چیفس کالج میں پڑھایا اور ریاست کا مالک بنایا۔ مگر افسوس ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ اب دعا ہے کہ یہ نونہال

www.shibliacademy.org

جلد جوان ہو اور عمدہ حکمران ہو"۔

سرڈین یہ تقریر کر کے نواب صاحب کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا:

"شہزادہ صاحب! اپنے دادا صادق محمد خان کی طرح بہادر اور شہسوار بننا۔ اور اپنے والد محمد بہاول خان خامس کی طرح خبردار اور ہوشیار بننا"۔ (۲۳)

۸/ مارچ ۱۹۲۴ء میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے بہاول پور آکر نواب سر صادق کی رسم تاج پوشی ادا کی اور مکمل اختیارات انہیں تفویض کیے۔ اپنے ہاتھ سے تخت شاہی پر بٹھا کر شمشیر حکومت عطیۂ سلطنت برطانیہ آپ کے زیب کمر فرمائی (۲۴)۔ مسند نشینی کے بعد ایک اور عام دربار نور محل میں منعقد ہوا۔ شعراء نے قصیدے پڑھے۔ ملک بھر میں خوشیاں منائی گئیں۔ اس موقع پر عزیز بہاول پوری نے یہ قصیدہ کہا:

مژدۂ تخت نشین گشتن سلطان آمد
وقت آرایش ہر دفتر و دیوان آمد

خوش بہاری است کہ ہر گل بہ چمن می نازد
مائل زمزمہ ہر مرغ خوش الحان آمد

سنبل از حور جنان یافتہ صد طرۂ زلف
بہر جاروب کشی در ایوان آمد

بسکہ گلچین بہار است درین وقت سعید
جان و دل صد چمن عیش بہ دامان آمد

پیر گردوں بہ تماشای بہار این جشن
چون جوانان چمن مست و خرامان آمد

این بہار آمدہ از فیض جلوس صادق
زین بہار است کہ دلہا ہمہ خندان آمد

تا کند وقف نثار سر فرخندہ شہی
بخت و دولت گہر و لعل بہ دامان آمد

www.shibliacademy.org

شاہ ما صادق پنجم کہ چو بر تخت نشست
صبح صادق شد و بر چرخ درخشان آمد
از پی آنکہ مہیا شود این رسم سعید
از در دولت برطانیہ فرمان آمد
وائسرای دیدم و ایجنت گورنر دیدم
آفتاب آمد و در پی مہ تابان آمد
تخت بالید بخود بوسہ چو زد بر بالش
تاج گرد سر او گشتۂ و نازان آمد
جشن جمشید شنیدند و چو دیدند این جشن
دیدہ ہا وا شد و دلہا ہمہ خندان آمد (۲۵)

مولوی غلام احمد اختر اوچی (۱۸۵۸-۱۹۴۲ء) نے نواب صادق خان خامس کے لیے درج ذیل قصیدہ کہا:

ای بر زدہ بر منزل عیوق علم را
آرام دہد سایۂ دیوار تو دم را
ای تخت خلافت زندت بوسہ قدم را
و ز جشن شہی عرق ساختہ جم را
اصل از عرب و ملک عجم داشتہ در ارث
فخر از تو عرب را شد و شان از تو عجم را
ہر چند نیا کان تو پیرای عدل اند
کردی علم از معدلت اسم اب و عم را
ای فخر سم کہف غریبان شہ صادق
فخر است بذات تو عرب را و عجم را
غم نیست جہان سر بسر از تفتہ چو پر شد

www.shibliacademy.org

نام تو امان است و درت کہف امم را

کس فاقہ بملک تو نہ دید ست و بیند

جود تو چنانچہ ساختہ ارزانست نعم را

از مدح تو چون دست دعا شد بہ بلندی

اختر کہ ز پستی نرسد نقش قدم را (۲۶)

برطانوی حکومت نے ریاست بہاول پور کے آخری نواب صادق محمد خان خامس عباسی کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ہز ہائی نس، جی سی آئی ای (نائیٹ گرینڈ کمانڈر آف دی انڈین امپائر) کے سی وی او (نائیٹ کمانڈر آف دی رائیل وکتورین آرڈر) اور کے سی ایس آئی (نائیٹ کمانڈر آف سٹار آف انڈیا) کے خطابات اور اعزازات سے نوازا گیا تھا (۲۷)۔ ۱۹۴۱ء میں جب نواب صادق محمد خان خامس کو انگریزی حکومت سے G.C.S.I کا خطاب ملا تو حافظ محمد عبدالحئی چشتی (متوفی: ۱۹۸۱ء) نے درج ذیل قصیدہ کہا:

اگر مانند رخسارت گلی در بوستان استی

زمین را از کمالیت شرف بر آسمان استی

رخت چون صبح صادق را اگر مانند بودستی

بزلف شب چرا خورشید از خجلت نہان استی

شہنشاہی کہ شاہان ز مانش ہم عنان استی

معین ملت احمد امین مملکت امجد

بیا بنگر کہ تا یابی دلیل مدعای من

کہ چون دارالعلومی در بہاول پور روان استی

چہ این دارالعلومی مصدر الطاف بی پایان

کزو علم و فضیلت را چنان تاب توانا ستی

ابد مقرون بود یا رب جلال دولت و عظمت

کہ از انصاف و انعامش جہان رطبا للسانا ستی

www.shibliacademy.org

بلقب جی سی ایس آئی مبارک خوان وبس چشتی
کہ مدحش با محیط کل یقیناً ہم قران ہستی (۲۸)

مولانا عبدالقادر جوہر (۱۹۱۳-۱۹۹۲ء) نے صادق خان خامس کی مدح میں یوں کہا:

چو مثل رایت مسلم ہلال ضوفشان بینی
کمال دولت و اقبال صادق را عیان بینی
ہمای بخت قربان است بر صادق محمد خان
کہ از صدق و صفا بر دین احمد بی گمان بینی
چو خوانش خوان یغما شد برای خلق گسترده
ہزاران مفلس و نادار بر اطراف خوان بینی
گر ترسی ز جور آسمان در ظل حق بنشین
در آنجا از ستم ہای زمان جای امان بینی
ہر آن مردی کہ از افلاس حیران در جہان گشتی
بہ جود و بذل و لطف شاہ صادق زرفشان بینی
اگر حشمت فدای حشمت ہارون و مامون است
قدم در ملک ما نہ تا کہ فخر دودمان بینی
نشان دجلہ و بغداد اگر جوید نگاہ تو
بہاول پور بغداد است و ستلج دجلہ سان بینی
اگر بغداد و دجلہ در بہاول پور می جویی
تو یزمان را بچو لستان و نہر جاودان بینی
گر از رحم و عطای شاہ دین پرور نہ ای آگاہ
بیا بگذار کج بینی کہ صادق را عیان بینی
مماثل چو کنم او را بہ سلطانان پارینہ
بیا بر تخت عباسی مثیل قدسیان بینی

www.shibliacademy.org

مبارک باد قومی را کہ دارد حکمران صادق
خوشا سالی کہ در عہد چنین شاہ زمان بینی
زتاب جوہر یکتای عالم می شوی خیرہ
نداری چشم حق بین مہر تابان را چسان بینی (۲۹)

نواب صادق خان خامس نے ۱۹۳۵ء میں اکتیس برس کی عمر میں حج کی سعادت حاصل کی۔نواب صاحب کا اپنی ملکہ اور ہمہ قسم مصاحبین کے ہمراہ تمام تر اہتمام کے ساتھ حج پر جانا ریاست کا ایک اہم واقعہ تھا۔اس مقدس سفر کا احوال قلم بند کرنے کی سعادت اس وقت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ جج دبیر الملک مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے حصے میں آئی، جو سفر حج میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ کیمپ حجاج کے طور پر شریک رہے۔مولوی عزیز الرحمٰن عزیز اپنی ہمہ جہت شخصیت میں بیک وقت ایک اعلیٰ منتظم، زیرک مصنف، باعمل عالم دین، جید صحافی، نامور محقق و مورخ، بلند پایہ شاعر اور معاملہ فہم انسان تھے۔یہ سفرنامۂ حج انہوں نے ''حج صادق'' کے نام سے تحریر کیا۔عزیز الرحمٰن نے ۳۰ رستمبر ۱۹۳۶ء کے دربار سالگرہ مبارک میں ''حج صادق'' کا ایک قلمی نسخہ معہ ایک قصیدہ نواب صاحب کے حضور پیش کیا۔جس پر نواب صاحب نے تمغۂ امتیاز (آر۔آئی۔ایس) اپنے دست مبارک سے ان کے سینے پر آویزاں فرمایا (۳۰)۔حج سے واپسی پر شاعروں نے قصیدے پیش کیے۔(۳۱)

۱۹۰۶ء میں نواب صادق خان خامس کے والد نواب بہاول خان خامس نے حج بیت اللہ کا قصد کیا تھا۔اسی سفر حج کے دوران انہوں نے ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔اس موقع پر شعراء نے اپنے دکھ اور غم کا اظہار اشعار کی صورت میں کیا۔جس کی تفصیل ''حیات بہاول خان خامس'' میں موجود ہے۔نواب صادق خان خامس بھی اس سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ان کی بخیر و عافیت واپسی پر بھی رعایا نے اپنی مسرت کا بھرپور اظہار کیا۔شعراء نے تہنیت کے اظہار کے لیے قصیدے کہے، جن میں سے چند ایک یہاں پیش کیے جارہے ہیں:

مولوی غلام محمد نادر، خوشنویس سرشتۂ تالیفات نے قصیدۂ تہنیت نواب صادق خان خامس کے لیے کہا:

www.shibliacademy.org

بہار آمد بہ بستان ریاست ز ہر گل می تراود رنگ و راحت
بہ می سجادہ باید کرد رنگین کہ آمد موسم جشن و مسرت
ز ہر سو نعرہ ہا گر دون رسا شد کہ سرکار آمد از حج با سلامت
"شہ صادق محمد خان خامس" کہ دارد مقرن عدل و سخاوت
بفضل حق تعالیٰ شد مشرف ز حج کعبہ و شرف زیارت
عرب را سیر کرد از گنج بخششی غنی از فیض او شد اہل حاجت
ہزار و سہ صد و پنجاہ و سہ شد مبارک حج نواب ریاست (۴۲)

محسن خان پوری (۱۸۶۷-۱۹۴۴ء) کی نواب صادق خامس کے لیے نظم خیر مقدم ملاحظہ کیجیے۔

نسیم دلکشا از کوہ پالم پور می آید
شہ صادق محمد خان ز راہ دور می آید
بہار خلد با ناز و ادا چون حور می آید
بہ این مژدہ کہ شاہم بادل مسرور می آید
ز مصر و افریقہ ۔ آن سراپا نور می آید
رود ہر جا کہ شاہم فاتح و منصور می آید
شمیم گل دل وابستگان را مست می سازد
کہ ہر کس از شراب لطف او مخمور می آید
ز فیض شذرۂ ناچیز شد چون گوہر یکتا
بہ رنگ بی نیازی از درش مزدور می آید
چنان وابستۂ عدل و عنایت شد کہ با صد جان
دعا در حق سلطان ۔ از دل جمہور می آید
الٰہی ! عمر و اقبال و جلالش باد روز افزون
دعائے در دل شب از قریب و دور می آید

www.shibliacademy.org

ز بہر مدحت شاہ جہان ۔ صادق محمد خان
گدائے شاعر محسن ۔ بہاول پور می آید (۲۳)

مولوی محمد امین، ساکن چنی گوٹھ نے نواب صاحب کی حج سے بخیریت واپسی پر جو قصیدہ کہا، ذیل میں درج ہے:

ای سریر آرای ملک و تاجدار سلطنت
شکر للہ آمدی واپس بخیر و عافیت
چشم ما در انتظار مقدم خیر تو بود
رفع شد شکر خدا از شرف دیدار رخت
آفتاب سلطنت ہم ماہتاب مملکت
گشتہ امروز ست تابان بین بخیر مقدمت
گردش گردون دمساز تو باشد روز و شب
بخت تو اسکندری فتح و ظفر ہم یاورت
زہد تقویٰ روزیت بادا الی یوم الجزا
دولت علم و عمل و عمل محفوظ گنجی در دلت
ای گل عباس ام باد خزان محفوظ باش
از نسیم صبح عشرت باد ہر دم بہرہ است
از کجا آرد امین شرح کر مہایت شہا
زانکہ دنیائیست دائم در ثنا و مدحت (۲۸)

محمد عبداللہ بیجان نے قصیدہ تہنیت نواب صادق محمد خامس، ۱۹۳۵ء میں حج سے واپسی پر کہا:

زبان خاطرم از فرط فرحت خوش بیان آمد
کہ سر صادق محمد خان ز حج با عز و شان آمد
خوشا آن سر کہ در سودای وصل دوست می جوشد
خوشا آن دل کہ چون مجنون سوی یثرب دوان آمد

www.shibliacademy.org

خوشا شوقی ، خوشا ذوق ، خوشا کیف و خوشا وجدان
میان عبد و معبود است رازی کو عیان آمد
خوشا سینہ کہ شد گنجینہ انوار رحمانی
خوشا صدری کہ چون بدری ز راہ حج عیان آمد
خوشا آن گوشۂ چشمی خوشا آن پارۂ قلبی
کہ وقت دید بیت اللہ در و آہ و فغان آمد
خوشا چشمی کہ دیدہ روضۂ پاک رسول اللہؐ
جزائے او خدا دادند کہ دانش غیب دان آمد
زہے صادق محمد خان بہادر عباسی خامس
زہی سیمایی پر نورش ز سنگ آستان آمد
بیا بیجان ادای شکر سجدہ شکر الٰہی کن
کہ شاہ باسلامت باکرامت شاد مان آمد (۳۵)

قاضی فضل کریم، ساکن بہاول نگر کا ''تہنیت نامہ'' ملاحظہ ہو:

ای دعای دولت تو درد ما شام و پگاہ
در امان و حفظ خود ایزد ترا دارد نگاہ
ما رعایا جسم و ذاتت بہر ما روح روان
بی تو بی جانیم جانت را نگہ دارد الٰہ
شد دعا مقبول درگاہ خدا خوش آمدی
ای امیر قوم و ملت دہ چہا خوش آمدی
شاد شد دل ہا منور چشم ما خوش آمدی
شد ضیا اندر جہان چون صبح صادق در رسید
بخت ہا بیدار شد چون بخت بیداری رسید
با سلامت آمدی ۔ بہر سلامت آمدیم

www.shibliacademy.org

منتظر بودیم ۔ از بہر زیارت آمدیم
در زمان امن تو خورسند و شادان می زئیم
از پئی شکر و ادای حق نعمت آمدی
عمر تو بادا دراز و فضل ایزد رہنمون
دولت پاینده و اقبال تو بادا فزون
یا الٰہی از طفیل سید خیر الورا
چار یار با صفائش حضرت غوث اعلیٰ
برکت شہدا پاک و حرمت خیر النساء
تا ابد با جاه و دولت شاد باد این شاه ما
در کتاب دہر نامش زینت قرطاس باد
دائیما اندر ترقی دولت عباس باد (۳۶)

نواب صادق خان خامس کے جشن یوم ولادت کے موقع پر بھی کئی شعراء نے قصیدے کہے۔ عبدالقادر جوہر کا قصیدہ بطور نمونہ درج ذیل ہے:

ز نور صبح صادق چون منور شد شب یلدا
سعادت بوسہ زد بر پای شاہ صادق والا
ز گلزار ارم آورد مشک و عنبر و نگہت
صبا از بہر نذر جشن شاہنشاہ جم ہمتا
شہنشاہے کہ عدل او گذشت از قیصر و کسریٰ
قوی زوری کہ بستاند خراج از بہمن و دارا
بروز جشن زر پاشی کند بر خلق چون نیسان
فشاند زر بدین حدیکہ خادم می شود مولا
مبارک صد مبارک جشن نو روزی شہنشاہا
بہ محشر حریم خلد باشی انجمن آرا

www.shibliacademy.org

بہ استحسان اگر در تاب جوہر یک نظر بینی
ز الطاف شود این جوہر مکنون جہاں آرا (۲۷)

عزیز الرحمٰن عزیز نے درج ذیل دعا نواب صادق خان خامس کے لیے تحریر کی، ملاحظہ ہو:

خدایا تو ایں شاہ درویش دوست
کہ آسایش خلق در ظل اوست
بسی بر سر خلق پاینده دار
بتوفیق طاعت دلش زنده دار
جہانش بہ کام و فلک یار باد
جہان آفرینش نگھدار باد
دل و کشورش جمع معمور باد
ز ملکش پراگندگی دور باد
درونش بتایید حق شاد باد
دل و دین و اقلیمش آباد باد
زہی دین و دانش زہی عدل و داد
زہی ملک و دولت کہ پاینده باد (۲۸)

۷/ مارچ ۱۹۴۳ء کو ایس۔ ای کالج کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر پروفیسر مولوی حاجی احمد صاحب نے نواب صادق خامس کی مدح میں یہ قصیدہ پڑھا:

چہ خوش بہار دل افزا درین زمن بینم
ز برگ برگ عیان صنع ذوالمنن بینم
بہ بین کہ قمری و بلبل چہ غلغلہ انداخت
غلط بگفتی دبستان کہ من چمن بینم
اطاق کالج ما رشک صد گلستان است
کہ گوشہ گوشہ پر از لالہ و سمن بینم

www.shibliacademy.org

کلاہ گوشۂ کالج بہ آسمان برسد
کہ نور شمس معارف ضیا فگن بینم
شجاع ملت و دین است فرد و علامہ
سخن سرای حقیقت بعلم و فن بینم
حدیث علم و شرافت باوج چرخ رسید
کہ صدر بزم چو لیڈی کرافٹن بینم
چہ گویم از صفت شاہ صادق خامس
ہزار راحت و آرام در وطن بینم
چنان شد است ریاست بہ عہد او حاجی
دل رعیت وی فارغ از محن بینم
بخیر خواہ و راشد مدام راحت و عیش
ہمیشہ قلب عدو محزن حزن بینم
زمین قافیہ تنگ است و مدح شاہ فراخ
ثناء خسرو ما خاتم سخن بینم (۳۹)

نواب صادق خان خامس نے ۲۴/مئی ۱۹۶۶ء/۱۳۸۶ھ کو لندن میں اپنی رہائش گاہ سرے کاؤنٹی میں انتقال کیا اوران کا جسد خاکی پاکستان لایا گیا۔ ڈیرہ نواب صاحب کی عیدگاہ میں خطیب ریاست حضرت قاضی عظیم الدین نے نماز جنازہ پڑھائی،نواب صاحب کی میت کو ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور پاکستان آرمی کی توپ گاڑی میں پورے فوجی اورسرکاری اعزاز کے ساتھ قلعہ ڈیراور لے جایا گیا جہاں شاہی قبرستان کے اندر مقبرہ نوابین میں دفن کیا گیا۔

کرد رحلت از جہان سوی بہشت
حکمران نیک خو شاہ عتیق
سال رحلت از خرد جستہ قمر

www.shibliacademy.org

گفت ہاتف ''صادق خامس شفیق''(۴)
۱۳۸۶ھ

اسناد حوالہ

(۱) انور، فیروز محمد، آئینہ دارالسرور بہاول پور، ص۴۲۔ (۲) شہاب حسن دہلوی، مسعود حسن، بہاول پور میں اردو، ص۴۵۔ (۳) دولت رائے، لالہ، مرآت دولت عباسی، ص۸۷-۸۶۔ (۴) منور علی خان، ایس۔ای کالج کی سوسالہ تاریخ، ص۴۶۔ (۵) نواز کاوش، بہاول پور کا ادب، ص۱۵۰۔ (۶) انٹرویو حافظ محمد امین، سابق لائبریری کلرک کتب خانہ شاہی، صادق گڑھ پیلس، بحوالہٗ ڈاکٹر محمد طاہر، بہاول پور کا نظم مملکت، ص۲۴۳۔ (۷) عزیز الرحمٰن عزیز، العزیز، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۴۰ء، ص۲۸۔ (۸) عزیز الرحمٰن عزیز، نوادر کتب خانہ سلطانی، العزیز، ماہنامہ، شمارہ اپریل، ۱۹۴۰ء، ص۴۰۔ (۹) عزیز الرحمٰن عزیز، مولانا عبدالمالک صادقی کھوڑوی، العزیز، ستمبر ۱۹۴۱ء، ص۳۵۔ (۱۰) Nazeer Ali Shah, Sadiq Namah, p.139۔ (۱۱) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، ص۱۰۶-۱۰۷۔ (۱۲) الزبیر، سہ ماہی، اقبال نمبر، ۱۹۷۷ء، ص۸۳۔ (۱۳) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، طبع نو، ص۱۰۲۔ (۱۴) ماجد قریشی، دبستان بہاول پور، ص۱۴۹۔ (۱۵) نواز کاوش، بہاول پور کا ادب، ص۲۹۶۔ (۱۶) عزیز الرحمٰن عزیز، حیات محمد بہاول خان خامس، ص۱۲۲۔ (۱۷) ایضاً، ص۱۲۵۔ (۱۸) ایضاً، ص۱۲۷۔ (۱۹) ایضاً۔ (۲۰) ایضاً۔ (۲۱) ایضاً، ص۱۲۸۔ (۲۲) محمد علی درویش، تاریخ ریاست بہاول پور، طبقات درویش، جلد اول، ص۹۸۔ (۲۳) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، ص۶۵۔ (۲۴) ایضاً، ص۶۷۔ (۲۵) حفیظ الرحمٰن حفیظ، مختصر تاریخ تاجداران ریاست بہاول پور، ص۶۵-۶۶۔ (۲۶) مولوی غلام احمد اختر، العزیز، اکتوبر، ۱۹۴۰ء، ص۷۔ (۲۷) List of ruling Princes, Punjab States Agency, p.2۔ (۲۸) حافظ محمد عبدالحئی چشتی، العزیز، مارچ، ۱۹۴۱ء، ص۲۹۔ (۲۹) عباسی قمر الزمان، بہاول پور کا صادق دوست، ص۶۲۔ (۳۰) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، ص۳۵۲۔ (۳۱) ایضاً، ص۱۲۵۔ (۳۲) ایضاً، ص۳۴۶۔ (۳۳) محسن خان پوری، العزیز، دسمبر، ۱۹۴۱ء، ص۴۔ (۳۴) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، ص۳۴۷۔ (۳۵) ایضاً، ص۳۴۵۔ (۳۶) ایضاً، ص۳۴۷-۳۴۸۔ (۳۷) عبدالقادر جوہر، ہفتہ وار ''ستلج''، ص۲۔ (۳۸) عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، ص۲۱۲۔ (۳۹) حاجی احمد، مولوی، پروفیسر نخلستان، ص۳۔ (۴۰) قمر الزمان عباسی، بغداد سے بہاول پور، ص۴۰۱۔

www.shibliacademy.org

کتابیات

انور، فیروز، محمد، آئینہ دار السرور بہاول پور، انور اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۸۹ء۔

حفیظ الرحمٰن حفیظ، مختصر تاریخ تاجداران ریاست بہاول پور، ۱۹۲۴ء، مطبع کریمی لاہور۔

دولت رائے، لالہ، مرآت دولت عباسی، خطی عکسی، مملوکہ راقم السطور۔

شہاب حسن دہلوی، مسعود حسن، بہاول پور میں اردو، اردو اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۸۳ء۔

عباسی قمر الزمان، بہاول پور کا صادق دوست، سٹنلے پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔

عزیز الرحمٰن عزیز، حج صادق، طبع نو عکسی، ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ملتان، ۲۰۰۸ء۔

عزیز الرحمٰن عزیز، حیات محمد بہاول خان خامس، عزیز المطابع، ۱۹۳۹ء۔

قمر الزمان عباسی، بغداد سے بہاول پور، لاہور، ۲۰۱۱ء۔

ماجد قریشی، دبستان بہاول پور، ادارہ مطبوعات آفتاب مشرق، بہاول پور، ۱۹۹۴ء۔

محمد طاہر، ڈاکٹر، بہاول پور کا نظم مملکت، بزم ثقافت ملتان، ۲۰۱۰ء۔

محمد علی درویش، تاریخ ریاست بہاول پور، طبقات درویش، جلد اول، آر۔ آر پرنٹرز، سر صادق اکیڈمی بہاول پور، ۱۹۸۷ء۔

منور علی خان، پروفیسر، ایس۔ ای کالج کی سوسالہ تاریخ، ایس۔ ای کالج، بہاول پور، ۱۹۸۶ء۔

نواز کاوش، ڈاکٹر، بہاول پور کا ادب، چولستان علمی و ادبی فورم، بہاول پور، ۲۰۱۰ء۔

اخبار و جرائد

الزبیر، سہ ماہی، اردو اکیڈمی، بہاول پور، ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر۔

العزیز، ماہنامہ، عزیز المطابع، بہاول پور، اپریل ۱۹۴۰ء؛ ستمبر ۱۹۴۰؛ اکتوبر ۱۹۴۰ء؛ مارچ ۱۹۴۱ء؛ ستمبر ۱۹۴۱ء؛ دسمبر ۱۹۴۱ء، ستلج، ہفتہ وار، بہاول پور، ۳۰ر ستمبر، ۱۹۴۰ء۔

نخلستان، مجلّہ ادبیہ، تقسیم اسناد نمبر، صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور، ۱۹۴۳ء۔

انگریزی کتب

Nazeer Ali Shah, Sadiq Namah, Lahore, 1935.

List of ruling, Princes Punjab States agency, Kolkata, 1924.

www.shibliacademy.org

شبلی اور آزاد

(ماہنامہ لسان الصدق کے حوالے سے)

ڈاکٹر شمس بدایونی

مولانا ابوالکلام آزادؔ (ف ۱۹۵۸ء) نے بہ عمر پندرہ سال ۲۰؍نومبر ۱۹۰۳ء کو ماہنامہ 'لسان الصدق' کلکتہ سے جاری کیا۔ دستیاب شماروں کے مطابق اس کا آخری شمارہ مئی ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۵ء کے درمیان مولانا شبلی نعمانی (ف ۱۹۱۴ء) کی تحریر کردہ انجمن ترقی اردو ہند کی رپورٹیں، زیرِ قلم تصانیف کی اطلاعات اور خود ابوالکلام کی تحریروں میں شبلی کا ذکر خیر آتا رہا ہے۔ شبلیات کے ذخیرے میں اس سے عدم واقفیت کی وجوہ میں قابل ذکر وجہ لسان الصدق کی فائل تک عدم رسائی ہے۔ خود ابوالکلام آزاد پر کام کرنے والے بھی فائل کی عدم دستیابی کے سبب مولانا کی صحافت کے مطالعے کا آغاز الہلال سے کرتے ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں پروفیسر عبدالقوی دسنوی (ف ۲۰۱۱ء) کو اس ماہنامے کا مکمل فائل دستیاب ہوگیا جو دس شماروں اور دو ضمیموں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اس کا عکس شائع کردیا جو ماہوار لسان الصدق کلکتہ کے نام سے مکتبہ جامعہ دہلی نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ ۲۰۱۱ء میں مکتبہ نے اس کا دوسرا ایڈیشن من وعن شائع کیا، یہی میرے پیش نظر ہے۔ یہ دونوں ایڈیشن بھی شبلی پر کام کرنے والوں کی نظروں سے اوجھل رہے، اوراس میں شامل شبلی سے متعلق وافر مواد و معلومات مرتب صورت میں وقف عام نہ ہوسکی۔

ماہنامہ لسان الصدق میں مولانا شبلی کا ذکر جہاں جہاں اور جس جس طور آیا ہے، سطور ذیل میں اسے تین شقوں کے تحت پیش کیا جارہا ہے:

۱- لسان الصدق میں مولانا شبلی کی تحریریں: دسمبر ۱۹۰۳ء کی آخری تاریخوں اور جنوری

۵۸، نیو آزاد پرم کالونی، عزت نگر بریلی، یوپی۔

www.shibliacademy.org

۱۹۰۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں (۱)، بمبئی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا ایک جلسہ کانفرنس کی شاخ (ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی) کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ مولانا آزاد نے لسان الصدق کے شذرات میں اس پر ایک اطلاعی نوٹ لکھا (۳۰/دسمبر ۱۹۰۳ء) جس میں کانفرنس کے نام کو بدلنے کی تجویز بھی پیش کی۔ بمبئی کا اجلاس بدرالدین طیب جی (ف ۱۹۰۶ء) اور قاضی کبیرالدین احمد کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔ آزاد نے لکھا:

> محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا عنقریب بمبئی میں جلسہ ہونے والا ہے، اور جو اہتمام اس کے لیے سال بھر سے کیا جارہا ہے اسے دیکھ کر یہ کہنا کبھی غلط نہیں ہوسکتا کہ اسی سال سے کانفرنس کی نئی زندگی شروع ہوگی اور وہ تمام الزام جو کچھ عرصے سے کانفرنس پر قائم کیے جارہے ہیں، وہ اسی سال سے بالکل رفع ہوجائیں گے۔ (لسان الصدق ص:۳۶)

کانفرنس کے اس اجلاس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی تھی اور صدارتی خطبہ بھی دیا تھا جو کانفرنس کے چہل سالہ خطبات صدارت کے مجموعے 'خطبات عالیہ' (مرتبہ انوار احمد زبیری مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۹۲۷ء ص ۲۱۹ تا ۲۲۱) میں شامل ہے۔ لسان الصدق سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری (۲) کی حیثیت سے اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے اور انجمن سے متعلق ایک طویل رپورٹ بھی پیش کی تھی۔ حیات شبلی اور شبلی سے متعلق دوسری کتب میں ۱۹۰۳ء کے سفر بمبئی اور شرکت اجلاس کا ذکر نہیں۔ (۳)

۲۰/فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے میں شذرات ہی کے تحت کانفرنس کے ایک اجلاس میں مولانا شبلی کی انجمن ترقی اردو ہند سے متعلق رپورٹ پیش کرنے کے بارے میں، 'انجمن ترقی اردو' سرخی کے تحت مولانا آزاد نے لکھا:

> محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی میں انجمن ترقی اردو کی رپورٹ ۱۹۰۳ء جو مولانا شبلی نعمانی سکریٹری انجمن نے پیش کی، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انجمن نے اپنے سکریٹری کی بدولت ان نو مہینوں (۴) میں جو کوشش کی ہے اور جس قدر عملی نتائج اس سے پیدا ہوئے ہیں، وہ کانفرنس کی زندگی میں "پہلی کوشش

www.shibliacademy.org

سے'' تعبیر کیے جا سکتے ہیں۔ اس انجمن کے مقاصد کی تعمیل میں جس قدر رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں، ان کا سرسری اندازہ اس رپورٹ کے دیکھنے سے ہوسکتا ہے۔ لیکن باوجود ان مشکلات کے جس قدر کاروائی ہوئی ہے، اس کی ہرگز ہمیں توقع نہ تھی......الغرض مولانا شبلی بالقابہ کی بے بہا کوشش ضرور قابل تحسین ہے، کاش کہ کانفرنس کی اور شاخیں بھی اسی طرح کوششیں کرتیں تو کانفرنس کا وجود ہمارے لیے رحمت الٰہی سمجھا جاتا......(ایضاً ص ۶۴، ۶۵)

اسی شمارے میں مولانا آزاد نے مضمون کی سرخی دے کر مولانا شبلی کی اجلاس میں پیش کردہ مکمل رپورٹ پیش کی ہے۔ اس رپورٹ کو مع عنوان من وعن نقل کیا جارہا ہے:

مضمون متعلق رپورٹ سالانہ انجمن ترقی اردو، شاخ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بابت ۱۹۰۳ء جسے شمس العلماء ''مولانا شبلی نعمانی'' سکریٹری انجمن نے ایجوکیشنل کانفرنس بمبئی میں پیش کیا۔

جناب صدر انجمن!

میں انجمن اردو کی سالانہ رپورٹ جناب والا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جس سے ظاہر ہوگا کہ انجمن نے اس مدت میں کہاں تک کامیابی حاصل کی۔

لیکن چونکہ انجمن کی کارروائی کے سلسلہ میں ملک کے اکثر اہل الرائے کے خیالات معلوم ہو چکے ہیں، اور اس مدت تک ملک کے تمام اہل قلم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں رپورٹ پیش کرنے سے پہلے یہ ظاہر کروں کہ انجمن اردو کی کیوں ضرورت ہے؟ اور اس میں کامیابی کی امید ہوسکتی ہے یا نہیں اور ہوسکتی ہے تو کن وسائل اور اسباب سے؟

اول وہلہ میں آپ کو خیال ہوگا کہ انجمن اردو کی ضرورت ایک مسئلہ مسلمہ ہے اور کم ازکم یہ کہ اس مسئلہ پر اگر گفتگو کی ضرورت تھی تو سال بھر پہلے نہ تھی اب جب کہ تمام ملک میں انجمن کی عملی کارروائی کا سلسلہ پھیل گیا ہے۔ لیکن مجھ کو انجمن کی ضرورت کے متعلق عام خیال سے کچھ الگ کہنا ہے، اس لیے آپ معاف فرمائیں اگر میں اس داستان کو ایک دفعہ آپ کے سامنے دہراؤں۔

میں اس پہلو پر بحث نہیں کرتا چونکہ ہر قوم کی ترقی اس پر موقوف ہے کہ علوم وفنون، اس کی زبان میں آجائیں، اس لیے اردو میں علوم وفنون جدیدہ

www.shibliacademy.org

کے ترجمہ کی ضرورت ہے بلکہ میں ایک دوسرے پہلو سے انجمن اردو کی ضرورت پر بحث کرتا ہوں۔

یہ بات علانیہ نظر آتی ہے کہ قوم کا ممتاز حصہ جدید تعلیم میں مصروف ہے اور ہوتا جاتا ہے، یہ بدیہی ہے کہ جدید تعلیم خود اس قدر مشکل تدبر طلب اور طویل الذیل ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری تعلیم جمع نہیں ہوسکتی، ہر صورت میں ہماری قومی، مذہبی اور تاریخی معلومات کے بقا کا کیسا ذریعہ ہے؟ کیا یہ پسندیدہ ہے کہ ہم صرف انگریزی تعلیم حاصل کریں اور اپنی قوم کی تعلیم سے، مذہب سے، علوم سے، بالکل بے پروا ہوجائیں؟ اچھا یا پھر ان کے بقا کی کیا تدبیر ہے، صرف یہ کہ ان چیزوں کو ترجمہ کے ذریعہ سے اردو زبان میں منتقل کیا جائے یا ان مضامین پر اردو میں مستقل تصنیفات لکھی جائیں۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کے لیے اپنی قومی علوم وفنون اور مذہب سے واقف ہونے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ یہ علوم اصلی سے، ملکی زبان میں لائے جائیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں کام یعنی ایشیائی اور مغربی علوم وفنون کا ترجمہ اور تالیف، خود ہورہے ہیں اور اس کے لیے کسی انجمن کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں! عربی، سنسکرت اور فارسی کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہوچکیں اور ہوتی جاتی ہیں، انگریزی تصنیفات کا بھی ایک معتبر حصہ ملکی زبان میں آگیا ہے اور آتا جاتا ہے ملک میں سینکڑوں ہزاروں مترجم پیدا ہوگئے ہیں جن کا مشغلۂ زندگی یہی ہے، یہ سوال واقعی لحاظ کے قابل ہے اور اس سوال کا جواب دینا ایک بہت بڑے عقدہ کو حل کرنا ہے۔

بے شبہہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی ایشیائی اور مغربی تصنیفات ملکی زبان میں منتقل ہوگئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کتابیں کس درجہ کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو علم نے نہیں بلکہ ضرورت معاش نے متوجہ کیا ہے، اس لیے کام کرنے والے اسی اصلی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہیں، وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کن چیزوں کے ترجمے یا کس قسم کی تصنیفات مذاق عام کے موافق ہیں اور جلب زر کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علمی پیداوار کا بڑا حصہ (جو کل کے قریب قریب ہے) ناول، ادنی درجہ کی تاریخیں اور سوانح عمریاں ہیں، کسی اشتہاری کتب فروش کی فہرست کو پڑھو، تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی آدمی، سوانح عمری کے نام سے محروم نہیں رہا۔ لیکن یہ سوانح عمریاں کس درجہ کی ہیں، اس کا آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں، علوم وفنون کی بعض کتابیں

www.shibliacademy.org

ترجمہ ہوئی ہیں، وہ کتابیں فی نفسہ اچھی بھی تھیں لیکن قابل لحاظ یہ ہے کہ ترجمہ کیسا ہوا ؟ کیا مترجمین واقعی کامل استعداد رکھتے تھے؟ کیا ترجمہ کی دنیا میں ان لوگوں کی کچھ شہرت تھی ، کیا ان ترجموں کو شائع ہونے سے پہلے کسی مبصر جماعت نے تنقید کی نظر سے دیکھ لیا تھا ؟ بے شبہ ان خزف ریزوں میں ایک آدھ جواہر بھی نکل آتے ہیں،لیکن وہ کالعدم ہیں۔

ان حالات کے معلوم ہونے کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ ایک ایسی مستقل انجمن کی ضرورت ہے جس کو اس کی کچھ پروانہ ہو کہ ملک کا اورعوام کا مذاق کیا ہے؟ بلکہ اس کو صرف یہ مطمح نظر ہو کہ ملک میں کس قسم کا مذاق پیدا کرنا چاہیے اور ملک کی علمی زندگی کی ترقی کے لیے کس قسم کی تصنیفات اور تراجم کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ یہ انجمن ایسی افراد سے مرکب ہو جو ایشیائی اورمغربی علوم کے ماہر ہوں اور تصنیفات و تراجم پر ناقدانہ اور آزادانہ رائے دے سکتے ہوں۔

ملک کے اورحصوں میں اس قسم کی انجمنیں قائم ہوگئی ہیں،اور علمی زبان سے علوم وفنون کا ذخیرہ ملکی زبان میں آگیا ہے۔ بنگالی زبان اب ایک کامل علمی زبان بن گئی ہے جس میں ہرقسم کی علوم وفنون جدیدہ کی کتابیں مہیا ہوگئی ہیں۔ ہندی زبان میں ابھی حال ہی سائنٹفک ڈکشنری سات جلدوں میں تیار ہوئی ہے جس کی تفصیلی کیفیت پانیر میں شائع ہوچکی ہے، مرہٹی زبان کی ترقیاں محتاج بیان نہیں ،صرف ایک اردو زبان ہے جو باوجود عام زبان ہونے کے علمی تصنیفات اور خصوصاً علوم وفنون جدیدہ سے بالکل محروم ہے۔

اکثر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ علوم وفنون جدیدہ کی تصنیفات اس کثرت سے ہیں کہ ان کے ترجمے کا قصد کرنا گویا آب دریا بہ گز پیمودن ہے لیکن یہ شبہ ایک وہم باطل ہے، ہرفن میں گو بہت سی تصنیفات ہوتی ہیں لیکن امہات الکتب دوچار سے زیادہ نہیں ہوتیں ، اس لیے ان کتابوں کا ترجمہ ہونا کافی ہوسکتا ہے۔

اس موقع پراس امر کا اظہار بھی ضرور ہے کہ گو ملک میں علوم وفنون کے مترجم یا مصنف بہت کم نظر آتے ہیں اوراس سے یہ بددلی پیدا ہوتی ہے کہ انجمن اگر قائم بھی ہوئی تو قابل مصنف اور مترجم کہاں سے ہاتھ آئیں گے ،لیکن اس مدت کے تجربے نے ثابت کردیا کہ ملک ایسے قابل اشخاص سے خالی نہیں ،لیکن چونکہ ملک کا عام مذاق ان کی قابلیت کی قیمت نہیں ادا کرسکتا اس لیے وہ گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں،ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے پاس تصنیف تالیف کا سرمایہ نہیں بعض ایسے ہیں جو سرمایہ

www.shibliacademy.org

رکھتے ہیں لیکن ملک کے مذاق کے لحاظ سے ان کو یہ توقع نہیں کہ ان کی تصنیف یا تالیف رواج حاصل کر سکے گی۔

انجمن کا بڑا کام انہی قابل جوہروں کا پتہ لگانا اوران کی قابلیت سے کام لینا ہے۔

اس تمہید کے بعد، اب میں انجمن کی رپورٹ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

یہ انجمن ۴/جنوری ۱۹۰۳ء کو بہ مقام دہلی ایجوکیشنل کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس میں قائم ہوئی اور بزرگان ذیل اس کے عہدہ دار اور کارکن قرار پائے۔

صدر انجمن

ٹی ڈبلیو آرنلڈ اسکویر پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

نایب صدر

شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد خان صاحب ال-ال ڈی

مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب

سکریٹری

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

اسسٹنٹ سکریٹری

مولوی حامد علی صاحب صدیقی سہارن پوری

۵/جنوری ۱۹۰۳ء کو کانفرنس ہی کے ایک پرایوٹ اجلاس میں انجمن کے لیے ایک مختصر دستور العمل کا مسودہ طیار کیا گیا، لیکن چونکہ یہ مسودہ محض سرسری طور پر طیار ہوا تھا اور اجلاس کانفرنس کے ختم ہونے کے ساتھ تمام ارکان دور دراز مقامات پر چلے گئے تھے، مسودہ کی درستی اور اصلاح میں خط و کتابت کے ذریعہ سے ایک مدت صرف ہوگئی، یہاں تک کہ ۸/اپریل ۱۹۰۳ء کو دستور العمل مذکور چھپ کر شائع ہوا اور دراصل انجمن کے قیام کی تاریخ اسی دن سے شمار کرنی چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ رپورٹ سالانہ نہیں بلکہ ہشت ماہہ رپورٹ ہے۔

انجمن کا سب سے پہلا کام ملک کو اپنے مقاصد کی طرف متوجہ کرنا اور یہ دریافت کرنا تھا کہ جو مقاصد انجمن کو پیش نظر ہیں، ملک اس کے لیے طیار ہے یا نہیں، چنانچہ نہایت کثرت سے خطوط چھپوا کر شائع کیے گئے، اخبارات وغیرہ سے مدد لی گئی، ممتاز بزرگوں کی خدمت میں خاص طرح پر تحریک کی گئی، یہ خوشی کی بات ہے کہ ہر طرف سے لبیک کی صدائیں آئیں، ملک کے ہر فرقہ نے بلا تخصیص، مقاصد انجمن کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔

ابتدا میں ہندو صاحبوں کو بطور خود یہ غلط خیال پیدا ہوا کہ ان کو انجمن کی شرکت سے علاحدہ رکھا گیا ہے، چنانچہ ایک ہندو(۶) اخبار نے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن جب اس کے جواب میں سکریٹری کی ایک تحریر اسی اخبار میں شائع ہوئی تو ہندو صاحبوں

www.shibliacademy.org

کے دل سے یہ شبہ جاتا رہا اور سب سے پہلے جناب آنریبل رائے نہال چند صاحب رئیس مظفر نگر نے انجمن کی ممبری قبول کرنے کی اطلاع دی۔

ملک میں جس قدر ممتاز اور نام آور بزرگ ہیں مثلاً آنریبل نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی، نواب محسن الملک، بدرالدین طیب جی صاحب جج ہائی کورٹ بمبئی، مشیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسین صاحب، سید کرامت حسین صاحب صاحب بیرسٹرایٹ لا، خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج عدالت خفیہ، خان بہادر مولوی عبدالغفور صاحب وزیر ریاست رامپور۔

ان تمام بزرگوں نے خوشی کے ساتھ ممبری قبول کی۔ انگلش جنٹلمینوں نے بھی انجمن کی طرف توجہ ظاہر کی، چنانچہ ڈبلیو بیل صاحب ڈائرکٹر سرشتۂ تعلیم پنجاب نے انجمن کا رکن اعزازی ہونا منظور کیا۔

(شمس العلماء) ''شبلی نعمانی'' (لسان الصدق ص ۶۷تا۷۰)

اسی شمارے میں 'انجمن ترقی اردو' عنوان سے شبلی کی ارسال کردہ حسب ذیل خبر بھی شائع ہوئی:

انجمن ترقی اردو

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ بہ مقام بمبئی (صیغۂ شعبہ علمیہ) میں کثرت آراء سے یہ فیصلہ ہوا کہ انجمن ترقی اردو کے کاموں کو اس قدر وسعت ہوگئی ہے کہ اب اس کے لیے جداگانہ ایک سرمایہ کے جمع کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے عام چندہ کھولا جائے اور جو چندہ آتا جائے اخباروں کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً مشتہر کیا جائے، اس بنا پر عام چندہ کھول دیا گیا ہے، سب سے پہلے جو رقم وصول ہوئی ہے وہ مولوی نظام الدین حسین صاحب بی ال ڈپٹی کمشنر برار کی عطیہ ہے، چنانچہ رقم (۷) مع ان چندوں کے جو علم دوست حضرات نے خود عطا کیے تھے حسب ذیل ہیں:

جناب مولوی نظام الدین حسین صاحب =/100 روپے

جناب شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب ال ال ڈی =/100 روپے

جناب نواب مزمل اللہ خان صاحب =/50 روپے

جناب خان بہادر منشی الٰہی بخش صاحب رئیس دہلی =/50 روپے

جناب مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے کمشنر =/50 روپے، نیز واضح ہو کہ جو صاحب سو یا سو سے زائد چندہ عطا فرمائیں وہ انجمن کے ممبر اعزازی متصور ہوں گے۔ شبلی سکریٹری انجمن اردو ترقی حیدرآباد دکن (لسان الصدق ص ۸۱، ۸۲)

www.shibliacademy.org

۲۰/ مارچ ۱۹۰۴ء کے لسان الصدق میں مولانا شبلی کی ایک اور تحریر بہ عنوان 'انجمن ترقی اردو' شامل ہوئی۔ اس تحریر کی حیثیت بھی ماقبل کی تحریر کی طرح ایک اطلاعی نوٹ کی ہے:

انجمن ترقی اردو

۱۴/ فروری ۱۹۰۴ء کو انجمن کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا، سکریٹری نے بیان کیا کہ چونکہ مسٹر آرنلڈ صاحب بوجہ ترک تعلق ہندوستان انجمن ہذا کی پریسیڈنسی سے علاحدہ ہونے والے ہیں۔ اس لیے انجمن کی طرف سے ان کی توجہ اور سرگرمی کے شکریہ میں جو انہوں نے انجمن کی ترقی کے متعلق برابر مبذول رکھی کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

باتفاق یہ طے ہوا کہ جناب ممدوح کی خدمت ایک اڈریس انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے، جس کو سکریٹری اور بعض ممبر بمبئی میں جناب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کریں۔

اس کے بعد جدید پریسیڈنٹ کے انتخاب کے متعلق بحث ہوئی اور قرار پایا کہ باہر کے ارکان سے بھی رائے طلب کی جائے۔

(جدید پریسیڈنٹ انجمن ترقی اردو)

خیر خواہان انجمن اس خبر کو خوشی سے سنیں گے کہ جناب مسٹر آرنلڈ صاحب کے بجائے جو کہ بوجہ ترک تعلق ہندوستان انجمن کی پریسیڈنٹی سے مستعفی ہو گئے ہیں، مسٹر ڈبلیو بیل صاحب سی، آئی ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب انجمن کی پریسیڈنٹی منظور فرمائی ہے۔ جناب مسٹر آرنلڈ صاحب کی علاحدگی کا اگرچہ انجمن کو نہایت صدمہ ہے لیکن امید ہے کہ جناب مسٹر بیل صاحب کا اس عہدہ کا قبول کرنا اس صدمہ کو کم کر دے گا۔ ''شبلی نعمانی'' (لسان الصدق ص:۱۰۶)

انجمن ترقی اردو ہند کی رپورٹیں یا اس سے متعلق خبریں عام طور پر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ میں چھپتی تھیں، شبلی سے متعلق کتب میں گزٹ کے حوالے ہی سے ان خبروں کے اقتباسات دیے جاتے رہے ہیں۔ باقیات شبلی (ص:۶۲ تا ۱۱۰) میں انجمن سے متعلق پانچ رپورٹیں اور ایک

www.shibliacademy.org

اعلان بھی گزٹ کے حوالے ہی سے شامل ہے۔ایسی صورت میں لسان الصدق میں انجمن سے متعلق ایک رپورٹ اور دو خبروں کا بہ قلم شبلی مل جانا شبلی کی دستیاب تحریروں پر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ابھی تک یہ تحریریں شبلیات پر لکھنے والوں کے لیے نامعلوم کی صورت رکھتی تھیں۔(۸)

۲-شبلی کی زیر طبع یا زیر تصنیف کتابوں کی اطلاع: لسان الصدق کے پہلے شمارے (۲۰/ نومبر ۱۹۰۳ء) میں مصنّفین کے علمی مشاغل معلوم کرنے کی غرض سے ایک عنوان ''زیر تصنیف کتابیں'' قائم کیا گیا تھا۔اسی عنوان کے تحت شبلی کی متعدد تصانیف کی اطلاع دی گئی ہے۔پہلی خبر یہ ہے:

''جناب مولانا شبلی نعمانی ناظم صیغہ علوم وفنون حیدرآباد دکن آج کل تاریخ ''علم الکلام'' کا دوسرا حصہ لکھ رہے ہیں،جس میں جدید 'علم کلام' سے بحث کی جائے گی''۔(لسان الصدق:۳۱)

مارچ ۱۹۰۴ء کے شمارے میں اس عنوان کا سرعنوان ''یہ کتابیں عن قریب ملک میں شائع ہونے والی ہیں'' قائم کر کے یہ اطلاع دی گئی:

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی ناظم 'علوم وفنون' حیدرآباد دکن نے میر انیس مرحوم کے کلام پر ایک مفصل ریویو تحریر کیا ہے اور ان کے کلام کا دیگر شعراء سے مقابلہ کر کے ان کی خوبیوں کو دکھلایا ہے۔عن قریب یہ کتاب چھپنے کے لیے مطبع میں جائے گی۔(لسان الصدق ص:۹۰)

اگست دسمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے میں زیر طبع سرخی کے تحت یہ اطلاع دی گئی:

زیر طبع

الکلام۔یعنی تاریخ علم الکلام کا دوسرا حصہ مصنفہ شمس العلماء مولانا شبلی عنقریب شائع ہوگا۔

سوانح عمری مولانا روم

مولانا روم کی مثنوی فارسی لٹریچر کی جان سمجھی جاتی ہے،اور صوفیا تو اپنے مقدس لہجہ میں اس کو ''قرآن پہلوی'' کے خطاب سے یاد کرتے ہیں،لیکن افسوس ہے کہ مثنوی کی یہ مقبولیت یا تو شاعرانہ حیثیت سے ہے،یا اس لیے کہ اس کو

www.shibliacademy.org

تصوف و معارف کا مجموعہ تسلیم کرلیا گیا ہے حالانکہ مولانا شاعر تھے، اور نہ انہوں نے مفروضہ تصوف کے وہ خیالات اس میں بھرے ہیں جن سے اس کی وقعت کی جاتی ہے بلکہ درحقیقت ایک اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ تصنیف ہے، جس کو زمانہ کے عام رجحان کا اندازہ کر کے صوفیانہ پیرایہ میں اور شاعرانہ صورت میں فاضل مولوی نے پیش کیا ہے۔ اسی راز کی طرف وہ اشارہ ہے جس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا،

گفتہ آید در حدیث دیگران۔

حواشی و شروح جتنے لکھے گئے ہیں ان میں اکثر تشریحات من چہ سرائم و طنبور من چہ سرآید کے مصداق ہیں اس لیے ایک ایسے ریویو کی سخت ضرورت تھی۔ جو اگر مفصلاً نہیں تو مجملاً ہی مثنوی کی اس اصلی تہ پر لوگوں کو متوجہ کرے، مولانا شبلی نعمانی نے اسی خیال سے مولانا کی سوانح عمری ترتیب دی ہے اور مثنوی کے فلسفیانہ پہلو کو نظائر و امثال کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت سرعت سے چھپ رہی اور غالباً الکلام کے بعد شائع ہوگی۔

(ان دونوں کتابوں کے لیے خود مصنف سے صیغہ علوم وفنون حیدرآباد دکن کے پتے سے درخواست کیجیے) (لسان الصدق ص:۲۱۹)

سوانح مولانا روم سے متعلق خبر مختصر تبصرے کی صورت رکھتی ہے۔ اغلباً یہ مولانا آزاد کی تحریر کردہ ہے۔

سطور بالا میں جن چار (صحیح تین) کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی صراحتیں حسب ذیل ہیں:

پہلی اور تیسری خبر: علم الکلام کا دوسرا حصہ 'الکلام' کے نام سے مطبع نامی کانپور سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔ یہ اشاعت اغلباً ستمبر ۱۹۰۴ء سے دسمبر ۱۹۰۴ء کے درمیان ہوئی ہوگی۔

دوسری خبر: میر انیس کے کلام پر مفصل ریویو 'موازنہ انیس و دبیر' کے نام سے ۱۹۰۷ء میں مطبع مفید عام آگرہ سے پہلی بار شائع ہوا۔ شبلی نے اس موازنہ کو ۱۹۰۳ء میں لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ ۱۹۰۴ء کے اوائل میں یہ سرکار آصفیہ حیدرآباد میں برائے اشاعت پیش ہوا۔ یہ امید افزا خبر اسی

www.shibliacademy.org

دور کی ہے۔لیکن خلاف توقع یہ نہ تو شائع ہوا اور نہ ہی مولانا کو اس کا مسودہ واپس مل سکا۔۱۹۰۶ء میں مولانا نے اسے از سر نو لکھا جو ۱۹۰۷ء میں طبع ہوا۔حیدرآباد میں جمع کردہ مسودہ آج کل نیشنل میوزیم دہلی کی تحویل میں ہے۔

چوتھی خبر: اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ۱۹۰۴ء یعنی قیام حیدرآباد ہے۔لیکن یہ دو سال بعد ''سوانح مولانا روم'' کے نام سے نامی پریس کانپور سے پہلی بار ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔

۳-مولانا آزاد کی مختلف نوعیت کی تحریروں میں شبلی کا ذکر و اعتراف: اس سلسلے کی سب سے پہلی تحریر وہ ہے جو ۲۰ر فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے میں شذرات کے تحت انجمن ترقی اردو عنوان سے شامل ہوئی۔اس کا متعلقہ اقتباس شق اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔

۲۰ر جون ۱۹۰۴ء کے شمارے میں ''ہم اور ہمارے عصر'' عنوان کے تحت ظفر علی خاں (ف ۱۹۵۶ء) کے اخبار دکن ریویو (حیدرآباد، مئی ۱۹۰۴ء) پر مولانا آزاد نے تبصرہ کیا ہے۔اسی تبصرے میں مولانا شبلی کے ایک مضمون ''احیائے علوم عربیہ اور ریڈیکل'' (مشمولہ مقالات شبلی جلد سوم) پر اپنی رائے دی ہے۔لکھتے ہیں:

> مئی کا دکن ''ریویو'' اپنی معمولی ضخامت سے کچھ زائد صفحات پر شائع ہوا ہے جس میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہمارے مخدوم مولانا شبلی کا مضمون ہے۔جو احیائے علوم عربیہ کے متعلق ایک حد سے گذاری ہوئی تحریر کے جواب میں لکھی گئی ہے اخبار میں ناظرین میں شاید ہی کوئی اس طول طویل بحث سے واقف نہ ہو جو ''مسٹر ماریسن'' کی جدید اسکیم کے متعلق علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے نکل کر ہندوستان کے تمام اردو اخباروں میں پھیل گئی تھی۔اور جس کا خاتمہ حال میں نواب لیفٹیننٹ گورنر کی ملاقات پر ہوا ہے،ایک تحریر اسی بحث کے متعلق علی گڑھ منتھلی میں شائع ہوئی تھی جس میں علوم عربیہ کے متعلق نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ ایک زبان دراز نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''عربی زبان میں علوم وفنون کے کسی عمدہ ذخیرہ کا ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔اور نیز یہ کہ ہمیں اس رائے سے قطعی اختلاف ہے کہ عربی میں ایسے علوم موجود ہیں۔جن کی تعلیم ہمارے دماغوں میں روشنی۔دلوں میں صفائی۔خیالات

www.shibliacademy.org

میں پاکیزگی۔ ارادوں میں بلندی۔ طبیعتوں میں استقلال پیدا کردے گی۔

پہلا دعویٰ جس قدر لغو اور بے دلیل ہے۔ وہ صرف اس سے ظاہر ہے کہ آج یورپ کے مستند فلاسفر اور مشہور مصنف عربی زبان کی خوشہ چینی کے قائل ہیں۔ عربی کا فلسفہ۔ عربی کا اخلاق۔ عربی کی شاعری۔ مدتوں یورپ کے مدرسوں میں مغربی دنیا کا کورس رہی ہے۔ اس دعویٰ کے لیے اگرچہ کسی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مولانا نے اس کا مفصل جواب لکھ کر اس میں دعویٰ کو اور مدلل کردیا ہے۔ رہا ریڈیکل صاحب کا دوسرا دعویٰ کہ عربی علوم سے روشن دماغی۔ خیالات کی بلندی۔ وغیرہ نہیں حاصل ہوسکتی ہے تو اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہے۔ آخر ان لوگوں نے کس زبان کی تعلیم پائی تھی؟ اور کون سے علوم پڑھے تھے۔ جو خیالات بلند، دماغ روشن، دل صاف، طبیعت مستقل رکھتے تھے اور جنھوں نے عرب کی خاک سے پیدا ہوکر آج یورپ کو اپنا مداح بنایا ہے؟ لیکن ریڈیکل صاحب اگر اس دعوے کو ان لفظوں میں بیان کرتے کہ ''مشرقی علوم ہمیں آج پڑھائے جاتے ہیں اور جن کی طرف ہمیں بلایا جاتا ہے۔ ان سے نہ ہمارے دماغ روشن ہوسکتے ہیں۔ نہ خیالات میں بلندی اور آزادی آسکتی ہے، اور نہ طبیعت میں استقلال پیدا ہوسکتا ہے، تو یہ قول ان کا بالکل ٹھیک اور اصلیت کے موافق ہوتا، یہ نہ صرف ریڈیکل صاحب کا قول ہوتا بلکہ مرحوم سرسیدؔ بھی ان کے ہم زبان نظر آتے۔ (لسان الصدق ص:۱۸۸)

اگست ستمبر ۱۹۰۴ء کے مشترکہ شمارے میں ترقی اردو اور تراجم علوم وفنون کا سلسلہ، عنوان سے مولانا آزاد نے ایک طویل مضمون لکھا تھا۔ مضمون کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اردو میں دوسری زبانوں کی علمی کتب کے ترجمے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں سرسید احمد خاں اور مولانا شبلی نعمانی کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ یہ اقتباس طویل ہے لیکن دلچسپ ہے۔ اس مضمون کے بین السطور شبلی کا ایک خط بھی نقل ہوا ہے، جو شبلی کے دستیاب خطوط پر اضافہ ہے۔ یہ خط ۲۲/ مارچ ۱۹۰۳ء کا مکتوبہ ہے۔ شبلی کے مولانا آزاد کے نام اب تک جو خطوط شائع ہوئے ہیں ان میں اولین خط ۲۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء کا مکتوبہ ہے۔ اس طور مولانا آزاد سے خط وکتابت کے آغاز کی مدت

www.shibliacademy.org

دوسال قبل طے ہو جاتی ہے۔

تراجم علوم وفنون کے متعلق اگرچہ ہم تمام بحثیں طے کر چکے ہیں، لیکن ابھی ایک اور مخالف رائے پر بحث کرنا باقی ہے، جو قوم کے ایک فاضل اور باوقعت مصنف کے قلم سے نکلی ہے، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے اپنے مشہور مضمون ''گذشتہ تعلیم مسلمانان'' میں قدیم تراجم علوم پر بحث کرتے ہوئے ایک طویل فہرست ان کتابوں کی دی ہے جو خلفائے عباسیہ کے زمانے میں سنسکرت، یونانی و فارسی سے ترجمہ کی گئی تھیں، ان واقعات پر ریمارک کرتے ہوئے وہ تراجم علوم جدیدہ کے متعلق لکھتے ہیں:

کہ انہیں واقعات پر خیال کرنے سے بانیان سنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کو دھوکہ ہوا اور وہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے مورثوں نے بذریعہ ترجمہ کے علوم کو ترقی دی، ہم بھی یورپ کے علوم وفنون کو اپنی زبان میں ترجمہ کرکے اپنے علوم اور اپنی قوم کو ترقی کے رتبہ پر پہنچائیں گے، مگر ان کا یہ قیاس غلط اور قیاس مع الفارق تھا، اول تو ترجموں کا اہتمام، اور لاکھوں روپیہ کا صرف جو خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ہوا، اب غیر ممکن ہے دوسرے اس زمانے میں علوم محدود تھے، اور ترقی رک چکی تھی، جس قدر کتابیں ترجمہ کی گئیں، یونانیوں کے علوم پر گویا احاطہ کرلیا گیا، اس زمانے میں نہ علوم کی ترقی کی انتہا ہے نہ ان کتابوں کے شمار کی کوئی حد ہے، جن کی تصنیف برابر جاری ہے، تیسری بڑی غلطی اس قیاس میں یہ ہے کہ اس زمانے میں عربی زبان جس میں ترجمہ ہوئے، تمام ممالک اسلامی میں حکومت کرنے والی زبان تھی، دنیا میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے، کہ قوم نے اس زبان میں علوم وفنون کو ترقی دی ہو، جو اس پر حکومت کرنے والی نہیں ہے، مگر ہم کو اس بات کے معلوم کرنے سے نہایت خوشی ہوئی کہ خود سید احمد خان صاحب نے جو سائنٹفک سوسائٹی کے بانی ہیں، متعدد تحریروں میں اس غلطی کا اعتراف کیا ہے''۔

چنانچہ پچھلے دنوں اسی خیال سے ہم نے مولانا کی خدمت میں ایک خط

www.shibliacademy.org

ارسال کیا، اور اس امر کی تحقیق کرنی چاہی، ہمیں نہایت ہی مسرت ہوئی، جب کہ ہماری رائے سے مولانا نے اتفاق ظاہر کیا اور سلسلہ تراجم علوم کو قوم کی اصلی خدمت تحریر فرمایا، مولانا کے خط کا وہ حصہ بجنسہٖ درج ذیل ہے:

مکرمی! آپ کا دلچسپ والا نامہ پہنچا.................ترجمہ کا میں مخالف نہیں ہوں، گذشتہ تعلیم میں سرسید نے مجھ سے وہ عبارت بہ جبر لکھوا دی تھی، میں نے سخت انکار کیا تھا، لیکن ان کا اصرار غالب آیا، میں تو ترجمہ کو اصلی علمی خدمت سمجھتا ہوں، بلکہ انشاء اللہ اس کا ایک باضابطہ سررشتہ قائم کروں گا۔

شبلی۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۰۴ء

مولانا کے اس اختلاف کی حقیقت یہ ہے جو انہوں نے اس خط میں ظاہر فرمائی ہے، سرسید کو ہائی ایجوکیشن کی حمایت میں جو جوش پیدا ہوا تھا، وہ تراجم کے سلسلے کا سخت مخالف تھا، انہیں خوف تھا کہ کہیں تعلیمی ضرورتوں سے بالکل چشم پوشی نہ کرلی جائے اور صرف تراجم کے سلسلے کو قائم کرنا قوم کی علمی ترقی کے لیے کافی نہ سمجھ لیا جائے، یہی خیال ان کو بار بار آمادہ کرتا تھا کہ وہ اس امر کو زور کے ساتھ ظاہر کریں اور قوم کی تمام طاقت پہلے تعلیم کی طرف متوجہ کرالیں، اسی خیال کا اثر تھا کہ گذشتہ تعلیم میں مولانا کے قلم سے یہی مخالفت ظاہر کرائی گئی، ورنہ درحقیقت مولانا کی رائے وہی ہے جو انہوں نے اس خط میں ظاہر کی ہے، بہرکیف یہ رائے کسی کی ہو، ہمیں اس پر ایک نظر ضرور ڈالنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ تراجم کی ضرورت پر اس رائے کا کہاں تک اثر پڑ سکتا ہے؟

اس رائے میں پہلی وجہ یہ ظاہر کی گئی ہے کہ ''ترجموں کا لاکھوں روپیوں کے صرف سے جو اہتمام خلفائے عباسیہ نے کیا تھا، اس کا ہونا اس زمانہ میں غیر ممکن ہے، لیکن اس وجہ کو ظاہر کرتے ہوئے، اس امر پر غور نہیں کیا گیا کہ اس زمانے میں کتابوں کا حاصل کرنا، ان کا ترجمہ کرانا، تراجم کی تصحیح، ان کی اشاعت درحقیقت بہت بڑے صرف کی محتاج تھی، اور بلاشبہ اگر حکومت کا ساتھ نہ ہوتا تو کبھی عربی ان

www.shibliacademy.org

علوم سے فیضیاب نہ ہوتی ۔لیکن اب زمانے کی ترقی اور حالتوں کے انقلاب نے اورصورت پیدا کردی ہے، آج ہرعلم وفن کی کتابیں اتنے روپوں میں مل سکتی ہیں جو اس زمانے میں قلم، دوات، کاغذ کے صرف کرنے کے لیے ہی کافی نہ ہوتی، علم نے آج تجارت کی صورت اختیار کرلی ہے، ہرشخص اپنی قابلیت سے کام لے کر بڑے بڑے ترجمے کرسکتا ہے ، اور اہل مطابع کو معقول صلے پر دے سکتا ہے جن کے ذریعے سے کتابیں چھپ کرفوراً شائع ہوسکتی ہیں، اگرتھوڑی سی رقم لے کرکوئی شخص اس امر کا اعلان کردے کہ ''مجھ کو ایسے مترجموں کی ضرورت ہے جو عمدگی سے انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرسکیں تو کم ازکم ۲۰/۳۰ آدمی اسی وقت مہیا ہوسکتے ہیں اور معمولی اجرت پر ترجمہ کرکے دے سکتے ہیں، جس شخص نے ترجمہ کیا، اس کو معقول اجرت ملتی ہے، جس نے ترجمہ کرایا وہ اسے چھاپ کر سینکڑوں روپے حاصل کرسکتا ہے، آج کل سلسلہ تراجم میں لاکھوں روپوں کی اور خلفائے عباسیہ کے سے سرپرستوں کی کیا ضرورت ہے؟ انجمن ترقی اردو نے ''ہربرٹ اسپنسر'' جیسے فلاسفر کی اہم تصنیف ''ایجوکیشن'' کا مکمل ترجمہ صرف تین ساڑھے تین سو روپوں میں کرایا ہے، جسے چھاپ کر اس سے تگنا نفع حاصل کرسکتی ہے۔ دوسری وجہ یہ بتلائی ہے کہ ''اس زمانے میں علوم محدود تھے، اس لیے محدود علوم کا محدود کتابوں میں ترجمہ کرلینا بالکل آسان تھا، آج یورپ کے علوم روز بروز ترقی کررہے ہیں اوران کتابوں کی کوئی انتہا نہیں ہے، جو علوم کے متعلق شائع ہوتی ہیں، اس لیے غیر محدود علوم محدود کتابوں میں کیوں کر جمع ہوسکتے ہیں؟

اعتراض معقول ہے لیکن یہ پوچھنا چاہیے کہ ''اگر علوم روز بروز ترقی کررہے ہیں، تو کیا مترجمین کی تعداد میں روز بروز تنزل ہوگا؟ تعلیم پھیل رہی ہے اور تعلیم یافتہ جماعت روز بروز وسیع ہورہی ہے، اسی لیے نئی کتابوں کا ترجمہ بھی ہمیشہ ہوتا رہے گا، اس کے علاوہ ہم اردو میں علوم کی کتابیں جمع کرنا چاہتے ہیں، نہ یہ کہ یورپ کے بحر ذخار کو اردو کے کوزے میں بند کرنا چاہتے ہیں، اردو میں علوم کی

www.shibliacademy.org

ہر شاخ میں چند جامع کتابوں کا ترجمہ کر لینا یا تالیف کر لینا کافی ہے اس کے بعد علمی ذوق خود اردو میں علوم کا سرچشمہ جاری کردے گا۔

تیسری وجہ یہ پیش کی ہے کہ ''اس زمانے میں عربی زبان جس میں ترجمے کیے گئے تھے تمام ممالک اسلامی میں حکومت کرنے والی زبان تھی، اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ قوم نے اس زبان میں علوم وفنون کو ترقی دی ہو، جو اس پر حکومت کرنے والی نہیں ہے''۔

اس اعتراض کے جواب میں اگرچہ ہم کوئی مثال ایسی پیش نہ کرسکیں، لیکن موجودہ زمانے کے قومی عروج سے ہم کو ضرور اس امر کا یقین ہوسکتا ہے کہ جب سلطنت کی مدد کے بغیر آج صرف قوموں کی کوشش سے بڑے بڑے تعلیمی اور ملکی کام ہو رہے ہیں تو اس امر کے ماننے میں کیا تامل ہوسکتا ہے کہ قوم کی کوشش سے اس زبان میں جو سلطنت کی زبان نہیں ہے، علمی ترقی ہوجائے یورپ میں جو کچھ علمی ترقی نظر آرہی ہے، یہ تمام قومی کوششوں کا نتیجہ ہے، حکومت کو اس سے کوئی تعلق نہیں، آکسفورڈ، کیمبرج جیسے مشہور عالم یونیورسٹیں رعایائے سلطنت کی بنائی ہوئی ہیں کیا دنیا میں اس سے پیشتر اس کی نظیر مل سکتی ہے کہ صرف رعایا کی کوشش سے کوئی ملک متمدن ہوجائے؟ خود اسلامی سلطنتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کالجوں کا قائم کرنا، علوم کا مدون کرنا اور تمام علمی کام حکومت ہی کی کوشش سے سرانجام پاتے تھے جس طرح اس کی مثالیں نہیں مل سکتی، اسی طرح ہم کو اس کی مثال بھی نہیں مل سکتی کہ قوم نے اس زبان میں ترقی کی ہو، جو حکومت کی زبان نہیں ہے لیکن جس طرح زمانے کے انقلاب سے پہلی صورت پیدا ہوگئی ہے، یہ بات کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ دوسری صورت بھی پیدا ہوجائے۔ (لسان الصدق ص:۱۹۹تا۲۰۳)

مذکورہ بالا اقتباس اس امر کا غماز ہے کہ ندوۃ العلماء آنے سے پیشتر (۱۹۰۵ء) مولانا آزاد نے شبلی کے تمام تر احترام کے باوجود ان کی تحریروں پر رائے زنی کرنے میں تامل نہیں کیا۔
اپریل مئی ۱۹۰۵ء کے مشترکہ شمارے میں شذرات کے تحت چار جگہ مولانا شبلی کا مختلف

www.shibliacademy.org

طور پر ذکر آ گیا ہے:

(۱) جن حضرات نے لسان الصدق کی قلمی سر پرستی منظور فرمائی ہے ان میں سے بعض بزرگوں کے نام نامی درج ذیل ہیں:

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی، ناظم صیغہ علوم وفنون ریاست حیدرآباد و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و فیلو آف یونیورسٹی آف الہ آباد۔ (لسان الصدق ص:۲۳۸)

(۲) شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی جدید تصنیف الکلام جس کا پبلک نہایت بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، نامی پریس کانپور سے اس خوبی اور خوش نمائی کے ساتھ چھپ کر نکلی، جس کی نظیر اردو کی کوئی کتاب پیش نہیں کرسکتی۔ کہا جاسکتا ہے کہ بہ لحاظ اہمیت مضمون کتاب کی معنوی حالت جس قدر باعظمت ہے، اسی قدر کتاب کی ظاہری صورت بھی دل فریبی اور دل آویزی میں بے مثل اور بے نظیر ہے۔ مجلد کی قیمت 3.50 اور غیر مجلد کی قیمت 1/50 قرار دی گئی ہے۔ دفتر معتمدی تعمیرات عامہ حیدرآباد دکن سے درخواست پر مل سکتی ہے۔ (مفصل انتقاد 'ریویو' میں درج ہوگا) (لسان الصدق ص:۲۵۱)

غالباً اس ریویو کی نوبت نہیں آسکی اور رسالہ بند ہوگیا۔

(۳) شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے بہ لحاظ اس خاص شفقت و عنایت کے جو ایک عرصہ سے ہمارے حال پر فرما رہے ہیں، اور (بہ لحاظ اس خصوصیت کے جو ہم کو مولانا کے تمام خادموں میں حاصل ہے) وعدہ فرمایا تھا کہ جنوری کے نمبر کے لیے کوئی مضمون ضرور عنایت فرمائیں گے لیکن افسوس ہے کہ لسان الصدق کے سادے صفحات ادہر تو اس مضمون کا انتظار کر رہے تھے اور ادہر مولانا مختلف پریشانیوں میں مبتلا ہوکر ایفائے وعدہ (پر) مجبور ہورہے تھے، مضمون پہنچا تو یہ پہنچا کہ ایک صغیر سن بچہ اور ایک صاحب اولاد صاحبزادی کے انتقال نے مولانا کے دل و دماغ کو سخت صدمہ پہنچایا ہے، یہ ایک ایسا افسوس ناک واقعہ تھا جس

www.shibliacademy.org

پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے مختلف بیماریوں نے پیشتر ہی مولانا کے دل و دماغ کو کچھ کم صدمہ نہ پہنچایا تھا جس پر اس جانگزا واقعہ نے اور اضافہ کردیا خدا کرے کہ اس صدمہ کا ہوش یا اثر ان کے دل و دماغ سے بہت جلد دور ہوجائے تا کہ وہ پھر اپنی اس ڈیوٹی کے ادا کرنے پر آمادہ ہوجائیں جو کلک قدرت نے ان کے لیے مخصوص کردی ہے ممکن تھا کہ اگر ہمارا اصرار بڑھتا تو وہ ہمارے ناکام امید کے کامیاب کرنے کی کوشش کرتے ، لیکن درحقیقت وہ خادم سخت نالایق ہے جو اپنے قابل احترام مخدوم کو ایسی پریشانیوں میں تکلیف دینے کی جرأت کرے، اس لیے ہم مولانا کی آیندہ عنایتوں کے امیدوار ہوکر اس بے جا جرأت سے باز رہے۔ (لسان الصدق ص:۲۴۲)

(۴) اس (شیخ محمد عبدہ کی مجتہدانہ کوششوں) سے چالیس برس پیشتر جب کہ مرحوم سرسید احمد خاں نے اپنی علمی اور مذہبی اصلاح کی بنا رکھی اور موجودہ مدنیت پر نظر کرکے ایک نئے علم کلام کی بنا ڈالی۔کون کہہ سکتا تھا کہ آگے چل کر اس واحد اور یکتا منادی کرنے والے کے بہت سے شریک پیدا ہوجائیں گے اور وہی آواز بلند کریں گے جو اس مظلوم کی مصلح زبان سے نکل کر کفر وضلالت کا خطاب پا چکی ہے۔ شیخ محمد عبدہ مصری تفسیر القرآن کا مصنف ہو یا فرید وجدی، 'تطبیق دیانۃ الاسلامیہ' اور 'الاسلام فی عصر العلم' کا شیخ حسن طرابلسی الحمیدیہ کا، یا ہمارے مخدوم مولانا شبلی الکلام کے۔ان بزرگوں کی اصلاح و کوشش چاہے کیسی ہی، قابل قدر و شکریہ ہو لیکن اولیت اور تقدم کے فضل کا سہرا اسی شخص کے سر قدرت باندھ چکی ہے، جس نے اب سے نصف صدی پیشتر جب کہ دنیاے اسلام پر عام تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضرورتوں کا کسی کو احساس بھی نہ ہوا تھا، اس ضرورت کو محسوس کیا اور شخصی کوشش سے جس قدر ممکن ہوا اس کوشش میں کامیابی حاصل کی۔(لسان الصدق ص:۲۵۷)

مذکورہ بالا تحریریں شبلی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔ان کو ایک خاص ترتیب کے تحت جمع کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مولانا آزاد اور شبلی کے مابین تعلقات کی

www.shibliacademy.org

نوعیت و کیفیت کا ان تحریروں کی روشنی میں از سر نو مطالعہ کیا جائے۔

ان تحریروں کی مدد سے جہان شبلی سے مکاتیب کی مدت دو سال پیچھے چلی گئی ہے، وہیں یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے 'ترقی اردو' مشن کے تحت اگر مولانا آزاد، کانفرنس کے اجلاس بمبئی میں شریک ہوئے ہوں گے، تو شبلی سے ملاقات بھی ہوئی ہوگی۔ بہ ظاہر اس ملاقات کے تحریری شواہد دستیاب نہیں ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے شبلی سے آزاد کی ملاقات کا زمانہ ۱۹۰۵ء قرار دیا ہے (حیات شبلی: ۴۴۴) لیکن ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے لکھا ہے:

> شبلی سے ۱۹۰۲ء میں ملے۔ بمبئی کی یہ ملاقات دونوں کے درمیان استوار رفاقت کا سنگ بنیاد بن گئی، اس وقت شبلی حیدر آباد میں ناظم علوم و فنون تھے اور پانچ سال سے قبل دونوں کے درمیان خط و کتابت جاری تھی۔ (مولانا ابوالکلام آزاد۔فکر و فن: ۳۸)

اسی علمی مقالے میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> شبلی سے مولانا آزاد کی پہلی ملاقات بمبئی میں ۱۹۰۴ء میں ہوئی، جب وہ عالم اسلام کی نامکمل سیاحت کے بعد بغداد میں بیمار پڑنے کی وجہ سے واپس لوٹ آئے۔ مولانا شبلی آرنلڈ کو ہندوستان چھوڑ کر ولایت جانے پر الوداع کہنے آئے تھے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد۔فکر و فن: ۷۵، ۷۶)

ملک زادہ منظور احمد نے مذکورہ بالا دونوں بیانات کے ماخذ سے مطلع نہیں کیا۔ پہلا بیان سراسر غلط ہے، البتہ دوسرے بیان کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی کے ایک حاشیے کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ شبلی نے اوائل ۱۹۰۴ء میں اپنے استاذ اور دوست ٹی، ڈبلو، آرنلڈ (۱۸۶۴-۱۹۳۰ء) کو الوداع کہنے کے لیے بمبئی کا سفر کیا تھا۔ سید صاحب نے لکھا ہے:

> وہ (آرنلڈ) لاہور سے ۱۹۰۴ء میں انگلستان واپس گئے۔ مولانا اس زمانے میں حیدر آباد تھے۔ ان کو پہنچانے حیدر آباد سے بمبئی گئے اور کوئی تحفہ دیا۔ (حاشیہ حیات شبلی ص: ۱۴۴)

اس سفر کی سند میں انہوں نے مولانا حمید الدین فراہی کے نام جس خط (خط کی عبارت آئندہ سطور میں آ رہی ہے) کا حوالہ دیا ہے، وہ سفر واقع ہونے سے پیشتر کا ہے جس میں ارادہ سفر کا مذکور ہے وقوع سفر کا نہیں۔

www.shibliacademy.org

۱۴؍فروری ۱۹۰۴ء کو انجمن ترقی اردو نے ایک غیر معمولی جلسہ کرکے یہ طے کیا کہ انجمن کے سکریٹری (یعنی مولانا شبلی نعمانی) اور انجمن کے بعض ممبران بمبئی جناب آرنلڈ کی خدمت میں حاضر ہوکر انجمن کی طرف سے ایک ایڈریس پیش کریں۔ (لسان الصدق: ۱۰۶) ظاہر ہے یہ بمبئی جائے بغیر ممکن نہ تھا۔ لیکن اس سلسلے کے شواہد نا کافی ہیں جو سفر کی تعیین میں مددگار ہوں۔

۲۶؍فروری ۱۹۰۴ء کو علی گڑہ مسلم یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال میں جناب آرنلڈ کے لیے ایک الوداعی تقریب رکھی گئی تھی۔ مولانا حالی مع نظم اس میں شریک ہوئے تھے۔ شبلی کی شرکت کا حوالہ میری نظر سے نہیں گزرا، لیکن مولوی حمیدالدین فراہی کے نام دو خطوں میں اس تقریب کا ذکر اور سفر کے رقم وصول پانے کی رسید دی گئی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ علی گڑہ یا بمبئی کی الوداعی تقریب میں شبلی نے دامے درمے بھی حصہ لیا تھا۔ خطوط کے متعلقہ حصے حسب ذیل ہیں:

خط مکتوبہ ۱۵؍فروری ۱۹۰۴ء

> مسٹر آرنلڈ قطع تعلق کرکے ولایت جاتے ہیں، علی گڑھ میں ان کو ایڈریس دیے جائیں گے۔ ایک فارسی میں بھی ہوگا۔ اس کی مجھ سے فرمائش ہے، لیکن میں فارسی اچھی نہیں لکھتا اس لیے تم فوراً لکھ کر پروفیسر ابوالحسن علی گڑہ کالج کے پاس بھیج دو۔ عربی میں لکھ دوں گا۔ وہ ۲۶؍فروری کو علی گڑہ پہنچیں گے۔ (مکاتیب شبلی ج ۲/ ۲۶)

خط مکتوبہ ۱۸؍فروری ۱۹۰۴ء

> روپے پہنچے .... تم نے بھیج دیے اور ایسے وقت میں بھیجے کہ میں روپیہ کا سخت حاجت مند تھا۔ مسٹر آرنلڈ کے لیے ۵۰ روپے کا تحفہ (۹)۔ ۱۵ روپے ایڈریس کا چندہ، ۵۰، ۶۰ روپے بمبئی کا سفر خرچ۔ (مکاتیب شبلی ج ۲/ ۱۷)

لیکن ۱۹۰۴ء میں بمبئی میں آزاد سے ملاقات کے شواہد دستیاب نہیں ہیں۔ اگرچہ ملاقات کے امکان کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ملک زادہ منظور احمد نے ۱۹۰۴ء میں عالم اسلام کی جس نامکمل سیاحت کا ذکر کیا ہے، وہ غلط ہے۔ شبلی نے عالم اسلام کا صرف ایک سفر ۱۸۹۲ء میں کیا تھا (مدت سفر ۲۶؍اپریل ۱۸۹۲ء تا نومبر ۱۸۹۲ء تقریباً چھ ماہ)۔ اس سفر کا حاصل سفرنامہ روم و مصر و شام (۱۸۹۳ء) ہے۔

www.shibliacademy.org

مولانا آزاد اور شبلی کی ملاقات کا صحیح زمانہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں بڑی حد تک فیصلہ کن مولانا آزاد کا وہ خط ہے جس میں خود انہوں نے شبلی سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ خط کا متعلقہ حصہ حسب ذیل ہے:

> اعظم گڑہ میں مولانا شبلی کا عمدہ کتب خانہ ہے۔ گذشتہ کانفرنس میں (جو کلکتہ میں جلسہ ہوا تھا) مولانا شبلی صاحب سے نیاز حاصل ہوا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے مفید کتب خانے سے خادم بھی مستفیض ہونا چاہتا ہے، مولانا موصوف نے فرمایا کہ میں فہرست بھیجوں گا۔ شاید فرصت نہیں ہو، اس لیے ارسال نہیں کی۔ کل بھی میں نے شبلی صاحب کے یہاں عریضہ لکھا ہے۔ چوں کہ آج کل 'رائل ہیروز آف اسلام' میں سے صلاح الدین ایوبی کی لائف لکھتے ہیں، کم فرصت ہے۔
>
> (مکاتیب ابوالکلام آزاد ص: ۶۹، ۷۰)

مکاتیب آزاد کے مرتب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے گذشتہ کانفرنس سے مراد آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس سیزدہم منعقدہ کلکتہ ماہ دسمبر ۱۸۹۹ء مراد لیا ہے۔ خط پر تاریخ مرقوم نہیں۔ خط میں تحریر اس داخلی شہادت: ''۱۱ رجب المرجب کو میں پٹنہ جاؤں گا، کیوں کہ ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ ہے'' ۔ کی بنیاد پر انہوں نے اس خط کی تاریخ ۱۴/اگست اور ۴/نومبر ۱۹۰۰ عیسوی کی درمیانی مدت طے کی ہے۔ جو قرین صحت ہے۔ انہوں نے خود بھی لکھا ہے:

> اس مکتوب سے اس روایت کی تردید ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ شبلی سے مولانا کی پہلی ملاقات بمبئی میں ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی۔ اس مکتوب کے ذریعہ پہلی بار اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ علامہ شبلی نعمانی سے مولانا آزاد کی پہلی ملاقات دسمبر ۱۸۹۹ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر کلکتہ میں ہوئی تھی، اور اس کے بعد ہی سلسلہ خط و کتابت شروع ہو گیا تھا۔ (مکاتیب ابوالکلام آزاد ص: ۵۵)

مولانا آزاد کے خط میں رائل ہیروز آف اسلام سلسلے کے تحت صلاح الدین ایوبی کی لائف لکھنے کا جو تذکرہ ہے اس کی تصدیق شبلی کے خطوط اور مطبوعہ سوانح سے نہیں ہوتی۔ البتہ المامون کی تمہید میں انہوں نے اپنے منصوبے رائل ہیروز آف اسلام کے تحت جن دس ناموں کا

www.shibliacademy.org

ذکر کیا ہے ان میں ایوبیہ خاندان کے فاتح بیت المقدس، صلاح الدین ایوبی کا نام شامل ہے۔ (المامون ص:۹) گویا صلاح الدین ایوبی کی سوانح لکھنا ان کے منصوبے کا حصہ تھا۔

اس کے علاوہ سید احمد مرتضیٰ نذر (ٹونک) کے نام شبلی کے ایک خط مکتوبہ ۱۵/ستمبر ۱۹۱۰ء میں بھی صلاح الدین کا تذکرہ آ گیا ہے۔ خط کی متعلقہ عبارت حسب ذیل ہے:

> سلطان صلاح الدین کی کئی سوانح عمریاں اردو میں ہیں، لیکن سب لغو۔ میرا مدت سے ارادہ تھا، لیکن اب تو امید نہیں معلوم ہوتی۔ واقعی صلاح الدین بڑے پایہ کا شخص تھا اور لوگ اس کے کارناموں سے واقف نہیں۔ (مکاتیب شبلی ج ۱/ص:۳۱۸)

حواشی

(۱) اجلاس کے انعقاد کی تاریخوں کی تلاش میں، میں نے بڑی جدوجہد کی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکیں۔ (۲) شبلی نے انجمن کے قیام کی تاریخ ۴/جنوری ۱۹۰۳ء لکھی ہے۔ وہ اسی تاریخ سے سکریٹری نامزد ہوئے۔ دسمبر ۱۹۰۵ء کی کسی تاریخ کو وہ مستعفی ہوگئے۔ (۳) سید صاحب نے صرف یہ لکھا ہے:

> ''دسمبر ۱۹۰۳ء میں جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بمبئی میں ہوا تو اس شعبے کی رپورٹ علاحدہ چھاپی اور شائع کی گئی۔ مولانا کی یہ رپورٹ بڑی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے۔ (حیات شبلی ص:۴۰۴)

گمان ہے کہ یہ رپورٹ مولانا کی نظر سے نہیں گزری ورنہ وہ شبلی کے سفر بمبئی اور شرکت اجلاس کا ایک ضمنی عنوان ضرور قائم کرتے۔

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب نے اپنے علمی مقالے میں شبلی کے اجلاس بمبئی میں شرکت کی اطلاع دی۔ انہوں نے لکھا:

> ''دسمبر ۱۹۰۳ء و جنوری ۱۹۰۴ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا سترہواں سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا، تو علامہ شبلی نے اس میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ رپورٹ پیش کی، جو علاحدہ بھی شائع ہوئی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے رسالے 'لسان الصدق' میں اسے نقل کر دیا۔ (انجمن ترقی اردو ہند کی علمی اور ادبی خدمات ص:۴۹، ۵۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اجلاس کی مطبوعہ رپورٹ ڈاکٹر ثاقب کو ہم دست نہیں ہوسکی۔ ورنہ وہ اپنے علمی مقالے میں اس کا حوالہ ضرور دیتے۔

www.shibliacademy.org

(۴) نومہینوں سے مراد اپریل ۱۹۰۳ء تا دسمبر ۱۹۰۳ء ہے۔ شروع کے تین مہینے انجمن کے دستور العمل کو ارکان انتظامی کو بھیجنے اور اس کی اصلاح وترمیم میں صرف ہوئے۔ (۵) اول وہلہ: یعنی پہلی مرتبہ، پہلی بار۔ (۶) یہ اخبار ہندوستانی تھا جو لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا اس کے مدیر گنگا پرشاد ورما تھے۔ (۷) رپورٹ میں یہ رقمیں علامتی تھیں انہیں ہندسوں میں کر دیا گیا ہے۔ (۸) انجمن سے متعلق ایک اعلان پانچ رپورٹیں باقیات شبلی (ص:۶۲ تا ۱۱۰) میں شامل ہیں۔ ایک رپورٹ معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ ان ساری رپورٹوں اور اعلانات کو یکجا کرکے ایک تحقیقی مقدمے کے ساتھ طبع کیا جا سکتا ہے۔ (۹) یہاں علامتی رقمیں تھیں۔ جنہیں ہندسوں میں کر دیا گیا ہے۔ مکاتیب شبلی طبع جدید میں پچاس روپے کی علامت کے دس روپے لکھے گئے ہیں۔ مکاتیب شبلی طبع اول سے ملان کرکے پچاس ہی کی رقم لکھی گئی ہے۔

کتابیات:

۱- المامون علامہ شبلی نعمانی دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۲۰۰۳ء۔

۲- انجمن ترقی اردو ہند کی علمی اور ادبی خدمات ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ ۱۹۹۰ء۔

۳- باقیات شبلی مشتاق حسین آزاد کتاب گھر دہلی ۱۹۶۴ء۔

۴- حیات شبلی سید سلیمان ندوی دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء۔

۵- حیات شبلی سید سلیمان ندوی دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۲۰۰۸ء۔

۶- خطبات عالیہ انوار احمد زبیری مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۷ء۔

۷- سرسید کی تعلیمی تحریک اختر الواسع مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۱۹۸۵ء۔

۸- ماہوار لسان الصدق کلکتہ عبدالقوی دسنوی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۲۰۰۸ء۔

۹- ماہوار لسان الصدق کلکتہ عبدالقوی دسنوی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۲۰۱۱ء۔

۱۰- مقالات شبلی ج/۷-۸ ـــ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء۔

۱۱- مکاتیب ابوالکلام آزاد ابوسلمان شاہ جہاں پوری اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۸ء۔

۱۲- مقالات شبلی ج/۲ سید سلیمان ندوی دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ۲۰۱۲ء۔

۱۳- مولانا ابوالکلام آزاد-فکر وفن ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۲۰۰۷ء۔

www.shibliacademy.org

اخبار علمیہ

''مصحف طلائی''

معروف خبر رساں ادارے ''الجزیرہ نٹ'' کے مطابق ۴۸ سالہ شامی خطاط محمد ماہر حاضری نے سونے کے تاروں سے ایک خاص قسم کے چمڑے جس پر نمی اور کسی قسم کے نقصان دہ کیڑوں کے منفی اثرات سے محفوظ رہنے کی صلاحیت موجود ہے، پر قرآن کریم کا منفرد نسخہ تیار کرلیا ہے۔ حاضری کے بیان کے مطابق ۸ برس تک اس پر روزانہ ۸ گھنٹے صرف ہوئے۔ ۵ گھنٹے مسلسل سوئی کی مدد سے کشیدہ کاری کی جاتی تھی، ان کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۰ء میں میرے فدل میں خیال آیا کہ کیوں نہ گنیز بک میں اپنا نام قرآنی خدمت کے توسط سے درج کرایا جائے۔ میں نے بعض ماہرین ثقافت اسلامیہ سے مشورہ کیا تو ایک شخص نے کہا کہ ایک ایسا مذہب مصحف تیار کیجیے، جس میں قرآنی حروف سونے کے تاروں سے لکھے گئے ہوں۔ چنانچہ ۱۲/ جلدوں پر مشتمل دو کوئنٹل وزنی اس قرآن کریم کو گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل کرلیا گیا ہے۔ واضح رہے اس سے قبل ۲۰۱۲ء میں کویت میں سونے اور جواہرات سے مرصع دنیا کا سب سے چھوٹا قرآنی نسخہ تیار کیا گیا تھا۔ (الجزیرہ نٹ)

''بلنگ کا تعلیم پر منفی اثر''

برطانیہ میں ۱۳ سے ۱۸ برس کے ۳۶ ہزار طلبا سے بات چیت کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ شرارتی بچوں کو ڈرانے دھمکانے کے سبب ان کی اکثریت کی تعلیم پر برا اثر پڑتا ہے یعنی ان کی گریڈنگ (درجہ بندی) میں کمی آتی ہے اور وہ مایوس ہوکر خود تکلیف پہنچانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلنگ یعنی ڈرانے دھمکانے کے شکار ہر تیسرے بچے نے خود کو نقصان پہنچانے بلکہ ان میں دس فیصد بچوں نے خودکشی کی بھی کوشش کی، ایک طالم علم نے بتایا کے بھدے الفاظ، پھبتیوں اور بدسلوکیوں کے سبب وہ ''آٹزم'' جیسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہوگیا، تحقیق میں شامل ۸۳ طالب علموں نے کہا کہ برے سلوک کے سبب ان میں عدم اعتماد پیدا ہوا ہے۔ بلنگ کے خلاف کام کرنے والا ادارہ ڈچ دی لیبل (Ditch the Lable) سے وابستہ لوگوں کا کہنا ہے کہ اسکولوں میں اساتذہ کو تربیت دینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس طرح کے معاملات پر نظر رکھیں اور حکومتوں کو اس کے لیے مزید فنڈ فراہم

www.shibliacademy.org

کرنے چاہئیں۔طلبہ سے ناروا اور امتیازی سلوک ناقابل برداشت اور تمام اسکولوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا بہتر حل نکالیں۔(بی بی سی اردو ڈاٹ کام، ۲۵/ اپریل ۱۴ء)

”نئی دنیاؤں کی دریافت“

ممکنہ سیاروں کی تصدیق کے لیے سائنس دانوں نے ایک نئے طریقے کیپلر یعنی خلائی دوربین کو کچھ عرصہ پہلے ایجاد کیا ہے جس کا مقصد زمین جیسے دوسرے سیاروں کی دریافت ہے، ناسا نے اسی خلائی دوربین کے ذریعہ ۲۶/ فروری ۱۴ء کو نئی دنیاؤں کی ایک کھیپ کا اعلان کیا ہے جس میں نظام شمسی سے باہر ۷۱۵ نئے دریافت شدہ سیارے ۳۰۵ مختلف ستاروں کے گرد گردش کر رہے ہیں۔اس دریافت کے بعد اب معلوم سیاروں کی کل تعداد سترہ سو ہوگئی ہے، لیکن ان سیاروں کے اجزائے ترکیبی اور ان احوال کا پتہ لگانا باقی ہے جو زندگی کے لیے ضروری اور سازگار ہیں۔البتہ ان میں سے چار ستاروں کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ قابل رہائش زون میں ہیں اور ان کا حجم تقریباً زمین کے برابر ہے۔(تعمیر فکر بنگلور، مارچ - اپریل ۱۴ء)

”ایودھیا۔ایک سیاہ رات“

کرشنا جھا اور دھریندر راجھا ہندوستان کے نامور اور مشہور صحافی ہیں، دونوں نے مل کر ”ایودھیا۔ ایک سیاہ رات، بابری مسجد میں رام مورتی کی دریافت کے خفیہ راز“ نام سے کتاب لکھی۔مصنّفین نے چشم دید گواہوں کے بیانات اور تاریخی دستاویزات کی روشنی میں اصل حقائق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بابری مسجد کو زبردستی مندر میں تبدیل کرنے کی سازش کو بے نقاب کیا ہے، انہوں نے اس مسئلہ کے لیے مرکزی حکومت کے غیر منصفانہ طرز عمل کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔(تفصیلی رپورٹ منصف حیدرآباد، ۳۰/ مارچ ۱۴ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

”ساعت قیامت“

جوہری سائنس دانوں کے ایک بورڈ نے ۱۴/ جنوری کو اعلان کیا ہے کہ قیامت کی علامتی گھڑی میں رات کے بارہ بجنے میں صرف پانچ رہ گئے ہیں۔رپورٹ کے مطابق یہ گھڑی قیامت کا کوئی آلہ نہیں

www.shibliacademy.org

بلکہ تہذیبوں کو لاحق ٹکنالوجیائی خطرہ کے لیے ایک بصری تشبیہ ہے، یہ بورڈ ہر سال کرۂ ارض کو جوہری اسلحہ اور موسمی تبدیلی کے سبب لاحق بین الاقوامی خطرات کا تجزیہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ قیامت کے اس انتظار میں منٹ کی سوئی کہاں تک پہنچی، اس طرح ان کے اندازے کے مطابق یہ کانٹا آدھی رات سے جتنا زیادہ قریب ہوگا دنیا اتنا ہی قیامت سے قریب ہوگی۔ (تعمیر فکر بنگلور، مارچ-اپریل ۱۴ء)

"۵۰ ہزار ہسپانیوں کا قبول اسلام"

غیر قوموں نے اسلام اور مسلمانوں کی اصل تصویر کو مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اسلاموفوبیا کی اصطلاح بھی رائج کردی گئی، اس کے باوجود دامن اسلام وسیع تر ہوتا جارہا ہے، خبر ہے کہ اسپین میں گزشتہ چند سالوں میں ۵۰ ہزار سے زیادہ افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں، جن میں اکثریت خواتین کی ہے، اسپین میں قائم یونائیٹڈ مسلم کونسل کی طرف سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اسپینی زبان میں آن لائن ایسی متعدد ویب سائٹس ہیں جو ہسپانوی خواتین کو مسلمان مردوں سے شادی کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ اسی خبر میں گذشتہ چند برسوں میں جرمنی میں بیس اور فرانس میں ۷۰ ہزار افراد کے قبول اسلام کی اطلاع دی گئی ہے اور اٹلی کے سابق سفیر اور ممبر آف پارلیمنٹ کے قبول اسلام اور اس وقت مغربی دنیا کے سامنے اسلام کے تعارف کی مسلسل کوششوں کا ذکر بھی اس خبر میں ہے۔ (صراط مستقیم، فروری ۱۴ء)

"بچے فطرۃً چست وسست نہیں ہوتے"

کیمبرج اور ساؤتھ ایمپٹن یونیورسٹیز کی مشترکہ تحقیق میں دل کی دھڑکن ناپنے والے آلہ کی مدد سے ۷ دن کے دوران زچہ بچہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ماں جتنا زیادہ متحرک اور فعال رہتی ہے اتنا ہی بچہ بھی جسمانی لحاظ سے چاق و چوبند، چست رہتا ہے گویا بچے قدرتی طور پر چست یا سست نہیں ہوتے بلکہ ان کی چستی میں والدہ کا کردار اہم ہوتا ہے، برطانیہ میں کیے گئے اس مطالعہ کے دوران ۴ برس کے ۵۵۴ بچوں اور ان کی ماؤں کو ۷ دنوں تک مسلسل ایک ہلکا آلہ پہنایا گیا، اعداد و شمار سے معلوم ہوا ماؤں اور بچوں کے درمیان جسمانی سرگرمیوں کا براہ راست مثبت تعلق ہے، ماں جتنا متحرک رہتی ہے اس کا بچہ دس فیصد تک اسی طرح کی سرگرمی میں متحرک رہتا ہے۔ (لندن نیوز ایجنسیاں بحوالہ راشٹریہ سہارا، ۲۵/مارچ ۱۴ء)

ک،ص اصلاحی

www.shibliacademy.org

معارف کی ڈاک

شیخ مبارک بودلے جائسی

دارالعلوم جائس،
درگاہ مخدوم اشرف سمنانی
جائس، ضلع امیٹھی (یوپی) انڈیا
۳۱/ مارچ ۲۰۱۴ء

مکرمی سلام مسنون!

معارف، مارچ ۲۰۱۴ء کے شمارے میں ''شیخ مبارک بودلے جائسی اوراودھ میں اسلام کی نشرو اشاعت میں ان کی خدمات'' کے نام سے ایک بے حد وقیع مقالہ نظر سے گذرا، جس کے لیے فاضل مقالہ نگار لائق تحسین وستائش ہیں۔لیکن مقالے میں وارد بعض تاریخی فروگذاشت کی طرف اشارہ ازبس ضروری ہے۔مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرزاق نورالعین کے چار صاحبزادگان تھے، جبکہ ان کی تعداد پانچ تھی اور پانچویں کا نام سید شمس الدین تھا، جن کے علم وفضل کا ذکر لطائف اشرفی میں مذکور ہے۔(دہلی، نصرۃ المطابع، ۴۱۱) مقالے میں ہے کہ سید اشرف سمنانی نے اپنے پوتے سید فرید کوردولی کی خلافت عطا کی تھی، جبکہ انہیں بسوڑھی کی خلافت ملی تھی۔یہ آبادی لکھنؤ، فیض آباد قومی شاہراہ پر موئی چوراہے کے قریب ہے، اور وہیں ان کا مزار بھی ہے۔سید احمد جائسی کے ''بندگی میاں'' کے نام سے معروف ہونے کی بات بھی درست نہیں ہے۔

ص۲۱۴ پر مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ: ''مگر اسلام کی نشرواشاعت کا جوجذبہ ان (مبارک بودلے) کے اندر تھا، وہ پھران کے بعد کسی میں نہ رکھا'' جذبے کی نفی درست نہیں ہے، توفیق کی نفی ہونی چاہیے۔ اوراس باب میں ان کے خاندان کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔اسلام کی نشرواشاعت کی جوتوفیق الٰہی انہیں حاصل ہوئی، وہ پورے اودھ میں نہ ان سے پہلے کسی کو ملی اور نہ ان کے بعد کسی کو ملی۔ملک محمد جائسی کے ایک مصرع کو مقالے میں یوں تحریر کیا گیا ہے ''سید اشرف پیر ہمارا'' دراصل یہ مشہور ومعروف مصرعہ اس طرح ہے ''سید اشرف پیر پیارا''۔

www.shibliacademy.org

علاوہ ازیں مقالہ نگار نے اس قدر فاضلانہ مقالے میں ایک غیر ضروری اور بے حد غیر علمی پیراگراف بھی شامل کردیا، جو محض ذاتیات پر مشتمل ہے اور بغیر کسی دلیل اور حوالے کے ہے۔ وہ نہ صرف بحث علمی کے خلاف ہے، بلکہ معارف جیسے موقر رسالے کے بھی شایان شان نہیں ہے۔ ص ۲۱۴ پر لکھتے ہیں کہ مبارک بودلے کے بعد ان کی اولاد نے غیر اسلامی عقائد کو اختیار کرلیا، بلکہ آخری دور میں ان پر کسی نومولود مسلک کی پیروی کی تہمت بھی لگادی۔ ''**سبحانک هذا بهتان عظیم**'' یہ بے حد غیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔ حضرت مبارک بودلے کے بعد بھی گذشتہ ساڑھے چار سو سال میں ان کی اولاد میں بے شمار علماء، دعاۃ اور مربیین ہوئے ہیں، جن میں سے کئی ایک کا ذکر خود فاضل مقالہ نگار نے کیا۔ ملا نظام الدین فرنگی محلی، شیخ صالح ردولوی اور علامہ واصل جائسی جیسے نابغۂ روزگار کا ان کی اولاد و اعقاب سے تلمذ و ارادت اس بیان کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔

تمام علمی خاندانوں کی طرح اس خاندان کے بھی چند افراد مختلف ادوار میں علمی اور عملی کج روی کا شکار ہوئے ہیں اور آج بھی چند افراد ہیں، جو شیعی عہد انتداب کی بعض مخلفات کو گلے لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن مقالے میں موجود اطلاق و تعمیم، ظلم و تحکم بھی ہے اور تاریخ و واقع دونوں کے خلاف بھی ہے۔ مقالہ نگار شاید واقف نہیں ہیں کہ عربی ادب کے معروف استاد سید احتشام ندوی صاحب کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔ اس خاندان کی بھاری اکثریت آج بھی مذہب اہل سنت اور مسلک امام اعظم پر قائم ہے اور ان کے سوا کسی مذہب و مسلک کو نہیں جانتی ہے۔ اگر یہ مقالہ معارف جیسے رسالے میں شائع نہ ہوا ہوتا تو اس وضاحت کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ والسلام

(جناب) سید قسیم اشرف حسن جیلانی

چند مطبوعاتِ دار المصنّفین کے نادر نسخے

زینب منزل، موگلٹ روڈ
کھنڈوہ۔ ایم پی ۴۵۰۰۰۱

محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے اور بھوپال کا سفر آرام دہ اور کامیاب رہا ہوگا۔ آمین!

www.shibliacademy.org

''معارف'' میں انتقال سے قبل مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کا ایک مضمون ''الفاروق'' پر شائع ہوا تھا جس میں اس کی نئی اشاعت اور دارالمصنّفین کے کتب خانے میں ''الفاروق'' کے اس نسخے کا نہ مل پانے کا ذکر تھا جس میں کچھ ''جرمن'' محققین کا ایک رنگین نقشہ تھا جس کے ذریعہ حضرت عمر فاروقؓ کے فتح کیے گئے علاقے دکھائے گئے تھے اور وہ نسخہ اول اشاعت کا تھا۔ جب میں نے تلاش کیا تو وہ نسخہ اپنے ذاتی کتب کے ذخیرہ میں مل گیا۔ سستی کی وجہ سے میں مولانا کی زندگی میں ارسال نہ کرسکا بعد میں وہ نقشہ ارسال کیا تھا رجسٹرڈ ڈاک سے مگر اس کی رسید نہ مل سکی۔ اس مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ وہ پوری کتاب جو کہ تاریخی اہمیت کی ہے کتب خانے کے لیے روانہ کردوں۔ یہ ۱۹۰۶ء کی ہے۔

دوسری ایک اور کتاب ''مہاجرین'' دارالمصنّفین سلسلہ نمبر ۳۳، سن ۱۹۲۸ء کی ہے۔ یہ بھی تاریخی اہمیت کی ہے۔

تیسری کتاب مولانا شبلی نعمانی کی ''موازنہ انیس و دبیر'' ہے جس پر سن اشاعت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تینوں کتب کے اہم اوراق اور نقشہ کی رنگینی فوٹو کاپی روانہ کررہا ہوں تا کہ آپ ان کی تاریخی اہمیت معلوم کرسکیں۔ ان تینوں کتب کی مجھے بھی ضرورت ہے مگر میرا نئے ایڈیشن سے بھی کام چل جائے گا۔ آپ ان میں سے جن کتب کے نئے ایڈیشن مہیا ہوں، مجھے روانہ کردیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تاریخی اہمیت کی کتابیں انشورڈ پارسل سے روانہ کردوں گا۔

وارث ریاضی صاحب کا فون نمبر SMS کرنے کے لیے شکریہ۔

میں نے فون پر دوران گفتگو کہا تھا کہ ''معارف'' میں مضامین اور غزلیں وغیرہ شائع ہونے والے ادباء کے پورے رہائشی پتے اور فون نمبر بھی شائع کردینے کی بات کی تھی تا کہ بہ وقت ضرورت ان سے بلاواسطہ تعلق قائم کیا جاسکے۔

مخلص

(جناب) سعید احمد

www.shibliacademy.org

وفیات

آہ! پروفیسر محمود الٰہی مرحوم

افسوس اردو کے نہایت فعال، نیک نام اور مخلص ترین خدمت گزار جناب پروفیسر محمود الٰہی ۱۹/ مارچ کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے، ان کے جانے سے صرف تعلیم و تحقیق کی محفلیں ہی سونی نہیں ہوئیں، شرافت، تواضع اور بے نفسی جیسی اعلیٰ مذہبی و اخلاقی قدروں کو بھی احساس زیاں ہے کہ ایسی شکلیں زمانہ شاید ہی دکھا سکے۔

وہ ۲/ ستمبر ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، اس طرح عمر مستعار کی مدت قریب ۸۴ سال ہے، یوپی کے مشہور اور مردم خیز قصبہ ٹانڈہ کے ایک ایسے خانوادہ میں انہوں نے اس دنیوی زندگی کے سفر کا آغاز کیا جو علم اور دین دونوں کی روشنی سے معمور تھا، ان کے والد مولانا علیم اللہ ٹانڈہ کے معروف مدرسہ کنز العلوم میں صدر المدرسین تھے، یہی مدرسہ پروفیسر محمود الٰہی کے مقام محمود کی بنیاد بنا۔ مدرسہ کی تعلیم نے جہاں ان کو عالم، فاضل کی سندیں عطا کیں وہیں علم کی مزید تلاش و طلب نے ان کے لیے گریجویشن، پوسٹ گریجویشن اور بالآخر ڈاکٹریٹ کی راہوں کو آسان اور ہموار کردیا۔ انہوں نے تحقیقی مقالہ کے لیے ''اردو قصیدہ نگاری کا تحقیقی جائزہ'' جیسے موضوع کا انتخاب کیا اور بڑے اعتماد سے اس یقین کا اظہار کیا کہ اردو شعر و ادب کا نقاد یہ کہہ کر عہدہ برآ نہیں ہوسکتا کہ قصیدہ دربار کی چیز تھی اور دربار کے ساتھ وہ بھی ختم ہوگیا۔ اس یقین میں یہ ادراک شامل تھا کہ اصل میں قصیدہ ایک انداز بیان اور ایک طرز ادا کا نام ہے، اس مقالہ کی جو پذیرائی ہوئی وہ بالعموم سندی تحقیقی مقالوں کی قسمت میں کم آتی ہے، اس کی وجہ محمود الٰہی صاحب کی محنت اور مطالعہ کی وسعت سے زیادہ ان کے زاویہ نظر کی تھی جوان کے عہد کے ادبی و تنقیدی مطالعات کے ماحول میں انفرادی شان کا گویا اعلان تھی۔ گذشتہ صدی کے وسط تک جن ادبی رجحانات و نظریات کے شور و غوغا کا ماحول تھا اس میں یہ کہنا اتنا آسان نہیں تھا کہ ''میں ماضی پرست نہیں لیکن میں نے اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کی کبھی کوشش نہیں کی، میں اس پر شرمندہ کیا ہوتا میں نے تو ہمیشہ اپنے حال سے زیادہ اپنے ماضی سے توانائی حاصل کی''۔ یہی انداز فکر و نظر آخر تک ان کی شناخت رہا۔ ان کے ادبی و علمی اکتسابات و محاسن میں نکات الشعراء کا ترجمہ، خط تقدیر کی بازیافت، افادات مہدی، فسانہ عجائب کا بنیادی متن اور الہلال والبلاغ کی تدوین کا ذکر آتا ہے اور یہ تو محض چند نمایاں عنوان ہیں ورنہ خدا جانے کتنی کتابوں پر ان کے مقدمے اور دیباچے ہیں، جن کو اگر یکجا کیا جائے تو علم و ادب کی ایک کہکشاں کا منظر سامنے

www.shibliacademy.org

آ جائے۔ زندگی کی نعمت کو امانت سمجھنے والے اور بھی ہیں لیکن اس بار امانت کو جس دیانت وصداقت سے ادا کرنے کی ادا، پروفیسر مرحوم کی زندگی میں نظر آتی ہے، اس کی مثالیں بس شاذ ہی ملیں گی۔ تعلیم وتدریس سے ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا، ہمیر پور اور رام پور کے بعض اسکولوں سے وابستہ ہوئے لیکن ۵۸ میں جب وہ گورکھپور یونیورسٹی سے متعلق ہوئے تو ایک کم نام بلکہ گمنام یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے وہ تنہا لکچرر تھے، لیکن قریب بتیس سال کے عرصہ میں جب وہ ریڈر، پروفیسر کے مرحلوں سے گزرے تو عالم یہ تھا کہ گورکھپور یونیورسٹی کا شعبہ اردو، ملک کی ممتاز ترین یونیورسٹیوں سے ملا رہا تھا۔ یہاں کا شعبہ اردو اس مقام پر فائز ہوا جہاں صرف رشک ورعب کی رسائی تھی، کیسے کیسے گوہر تابدار اس شعبہ کے معدن سے نکلے، پروفیسر عبدالحق، پروفیسر ملک زادہ منظور، پروفیسر انصار اللہ، احمر لاری، فضل امام رضوی، افغان اللہ خاں، اختر بستوی، قاضی افضال، قاضی جمال، ڈاکٹر فیروز احمد، اصغر عباس، اشفاق اعظمی کوئی کہاں تک گنائے ایک طویل فہرست ہے، اس سلسلہ زریں میں انصاف اور قدر کی نظر سے دیکھا جائے تو چمک میں پروفیسر محمود الٰہی کے خون جگر کا رنگ شامل ہے، پروفیسر جناب ملک زادہ منظور شاگرد سے زیادہ ان کے رفیق کار، ہم عصر وہم چشم ہیں، انہوں نے اس اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا کہ ”شاید ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں ڈاکٹر محمود الٰہی تنہا استاد ہیں کہ وہ تمام طلبہ و طالبات جنہوں نے ان کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ان کا تقرر یونیورسٹیوں یا کالجوں میں بحیثیت استاد ہو گیا، انہوں نے تحقیق ہی نہیں کرائی بلکہ روز اول سے یہ خیال رکھا کہ ان کا کوئی شاگرد بے کار نہ رہے...... انہوں نے کلرکوں کی ایسی تربیت کی کہ وہ پروفیسر کے معزز عہدہ تک پہنچے“، یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ ان کی ابتدائی تعلیم عربی مدرسہ اور تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے ان کا مزاج تھوڑا سادبا دبا رہا، یہ نقص نہیں بلکہ کامل ہونے کی علامت ہے۔ انکسار وتواضع اور خودنمائی وخود بینی سے دوری یہی تو ان صفات کی جان ہیں جو مقام محمود کا مستحق بناتی ہیں۔ پروفیسر محمود الٰہی کی خوبیوں کا یہ حسن قبول تھا کہ ان کو یوپی کی اردو اکادمی کی مسیحائی ملی، ان کی زندگی کا یہ باب اتنا روشن اور نمایاں ہے کہ اس کے لیے الگ دفتر چاہیے، عام طور سے کہا جاتا ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ اردو اکادمی میں جتنا مفید وو قیع کام ان کے ذریعہ ہوا وہ کسی اور کی قسمت میں نہیں آیا، نصابی کتابوں کی ترتیب واشاعت اور سب سے بڑھ کر اردو کی کلاسیکی کتابوں کا احیاء اور ارزاں قیمت کی وجہ سے ان کے فروغ کا منصوبہ یہ وہ مبارک کوششیں ہیں جن کے لیے اردو دنیا ہمیشہ ان کی قدرداں رہے گی، اردو زبان کسمپرسی کے عالم میں جس طرح گورکھپور یونیورسٹی اور اس سے ملحق ڈگری کالجوں میں جگہ پانے اور بنانے میں کامیاب ہوئی اس کے لیے بھی وہ محمود الٰہی مرحوم کو ہمیشہ اپنا محسن سمجھ کر دعاؤں میں یاد رکھے گی۔

www.shibliacademy.org

حسن انتظام اور پیہم کارکردگی کے ساتھ تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقید کا یہ اجتماع محمود صاحب کی زندگی کا سب سے نمایاں عنوان ہے، اس مختصر سی تعزیتی تحریر میں گنجائش نہیں کہ ان کے تنقیدی و تحقیقی محاسن کا طائرانہ جائزہ ہی لیا جاسکے۔اس کے لیے فسانہ عجائب میں ان کے مقدمہ کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے اور خود اپنی تھیسس میں انہوں نے اردو قصیدہ نگاری کا جس طرح عہد بہ عہد جائزہ لیا اور بعض قصیدہ نگاروں کو پردۂ خفا سے منظر عام پر پیش کیا وہ ان کی طباعی اور ذہانت کی بہترین مثال ہے، انہوں نے علامہ شبلیؒ کی قصیدہ نگاری کے بارے میں غالباً سب سے پہلی بار اظہار خیال کیا حالی کو سامنے رکھ کر اس کا آغاز ایسے پر اعتماد جملوں سے کیا کہ ''شبلی کا ذہن حالی سے زیادہ بیدار تھا، ماضی کے علم و ادب، تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت کی بساط کا ہر گوشہ ان کی نظر کے سامنے تھا......وہ بدلتے ہوئے حالات میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل کرنا چاہتے تھے مگر ایسی تشکیل نہیں کہ بعد میں ان کو پچھتانا پڑے......سماجی امراض کی تشخیص میں انہوں نے دیر نہیں لگائی مگر دواؤں کی تجویز میں وہ محتاط رہے، حالی نے صرف ماضی کا احتساب کیا، شبلی نے ماضی و حال دونوں کا......ایک نے اوروں کو پرکھا دوسرے نے اپنے کو بھی تولا......حالی کی نئی نسل پر مستقل چھاپ ہے مگر دھندلی، شبلی نے اقبال، آزاد اور جوہر جیسی عہد آفریں شخصیتوں کو جنم دیا......شبلی نے شعر بہت کم کہے مگر یہ کمی کمیت کی ہے کیفیت کی نہیں''۔ شبلی کی قصیدہ نگاری کے متعلق ان کا یہ جملہ روش عام سے ہٹ کر تھا کہ شبلی کی مدح کے پیچھے ایک متحرک نظام حیات کی حکمرانی ہے وہ مدح نہیں نعرۂ رجز ہے اور کیا سچی بات کہی کہ شبلی نے فرد، جماعت اور تحریکات کی مدح کا جو انداز نکالا وہ آج بھی موجود ہے اور موجود رہے گا۔ پورا باب اس لائق ہے کہ شبلی صدی کے موقع پر بار بار اس کی بازخوانی کی جائے۔ شبلی کے لیے اس اعتراف میں یقیناً عقیدت کا جذبہ شامل ہے اور یہی جذبہ دارالمصنّفین اور معارف کی محبت میں شامل رہا، وہ جب بھی موقع ملتا تو دارالمصنّفین تشریف لاتے اور اپنی مذہبیت اور کسر نفسی اور اعلیٰ ظرفی کا نقش ہر دل پر قائم کر جاتے۔ان کے بے شمار شاگرد اور فیض یافتگان ان سے ملنے آتے لیکن ان کا دامن تفوق و برتری کی ایک سلوٹ سے بھی آلودہ نہ ہوتا۔ان کے جانے کا غم دیر تک رہے گا اور اس سے بھی زیادہ اس کا غم ہوگا کہ اردو کے ایسے جاں نثار شیدائی، ایسے اچھے انسان کے جانے پر وہ ماتم نظر نہیں آیا، جو اس کا حق تھا، ان کی یادوں کو زندہ کرنے اور رکھنے کی ضرورت ہے، احسان شناسی کی صفت ایسی نہیں جس کو اس طرح فراموش کر دیا جائے۔ ویسے احسان کا بدلہ احسان کی شکل میں تو محمود الٰہی مرحوم کو انشاءاللہ مل کر رہے گا۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ

ع۔ص

www.shibliacademy.org

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

(۱۹۱۴-وفات: ۱۲؍فروری ۲۰۱۴ء)

ڈاکٹر عارف نوشاہی

پاکستان میں فارسی ادب کے مورخ ڈاکٹر ظہور الدین احمد ۱۲؍فروری ۲۰۱۴ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ وہ سو سال کو پہنچنے ہی والے تھے۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد گورنمنٹ کالج، لاہور (جواب یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے) کے شعبۂ فارسی سے وابستہ تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں وہ شعبۂ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے علمی منصوبے دائرہ معارف اقبال سے وابستہ رہے۔ ان کی طول عمری کا راز سادہ خوراک اور اس میں انضباط تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے متعدد علمی کام انجام دیے۔ ان کاموں کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: تصنیفی، تدوینی اور تدریسی۔ تصنیفی شعبے میں وہ اپنے عالی شان کام "پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ" سے ضرور یاد رکھے جائیں گے۔ ان کا یہ منصوبہ چھ جلدوں میں مکمل ہوا۔ جو غزنوی دور سے لے کر آزادی پاکستان کے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے بہت سے مخطوطات کا براہ راست مطالعہ کر کے اس کتاب کا مواد تیار کیا اور متعدد نئے مصنّفین، شعراء اور کتب کا سراغ لگایا۔ یہ تاریخ اردو میں ہے۔ اس کی پہلی دو جلدوں کا فارسی ترجمہ بھی ایران سے شائع ہو چکا ہے۔ دیگر تصنیفی کاموں میں آغاز وارتقای زبان فارسی در شبہ قارہ، نقد شعر فارسی در پاکستان و ہند شامل ہیں۔ یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں۔ نیا ایرانی ادب اور ابوالفضل بن مبارک کی سوانح "ابوالفضل: احوال وآثار" کے نام سے اردو میں لکھی۔ فارسی متون کی تدوین میں ان کے یہ چار کام موجود ہیں: خلاصۃ جواہر القرآن فی بیان معانی لغات القرآن تصنیف ابوبکر اسحاق ملتانی، ہشت محفل ملفوظات شاہ ابوالمعالی لاہوری، عبرت نامہ محمد قاسم عبرت لاہوری، رسائل جلال الدین دوانی - درسی نوعیت کی متعدد کتب لکھیں۔ جیسے: کتاب دانش، دستور فارسی، جواہر ادب، دستۂ گل، کتاب فارسی (برائے جماعت ششم و ہفتم و ہشتم)، فارسی کا نیا نصاب (برائے جماعت یازدہم)، فارسی کی دوسری اور تیسری کتاب (برائے جماعت ہفتم)، فارسی لکھنا بولنا، گنج ادب، ایرانی ادب۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے عظیم علمی منصوبے "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" کی فارسی ادب سے متعلق جلدوں میں مختلف موضوعات پر مقالے لکھ کر دیے۔ ایران کے ایک علمی ادارے "بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار" نے ان کی فارسی ادب کے لیے خدمات پر ۱۹۹۱ء میں "محمود افشار ایوارڈ" دیا۔ ایک پاکستانی طالبہ شہرانہ اختر نے ۱۹۹۳ء میں پنجاب یونیورسٹی کے لیے ایک تھیسز "ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور ان کی فارسی خدمات" لکھا۔

www.shibliacademy.org

ادبیات

غزل

اسی غزل کی زمین میں استاذ محترم حضرت مولانا سید نظام الدین مدظلہ امیر شریعت بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کی ایک غزل سے متاثر ہوکر

وارث ریاضی

جفائے یار کو وجہِ گداز دل سمجھتا ہوں
اسی کو زندگیِ عشق کا حاصل سمجھتا ہوں

ترے جلوؤں کی رعنائی سے دنیا میں اجالا ہے
ترے رخسار زیبا کو مہِ کامل سمجھتا ہوں

تری یادوں کے سائے میں جو گزرے ہیں حسیں لمحے
خدا شاہد انہیں میں عمر کا حاصل سمجھتا ہوں

یہ ہیں کوتاہیاں تیری کہ ہیں گستاخیاں میری
کہ تیری رہ گزر کو کوچۂ قاتل سمجھتا ہوں

بس اتنی بات پر سارا زمانہ مجھ سے برہم ہے
کہ سچ کو سچ مگر ہر جھوٹ کو باطل سمجھتا ہوں

یہی بس ہے خطا میری ، یہی اک جرم ہے میرا
جو عالم بے عمل ہے میں اسے جاہل سمجھتا ہوں

تعصب سے الگ رہ کر جو ملتا ہے محبت سے
اسے انسانیت کا جوہرِ قابل سمجھتا ہوں

خدائے پاک نے جن کو بنایا رحمتِ عالم
انھی کی ذات کو میں رہبرِ کامل سمجھتا ہوں

مدیرانِ معارف کی نوازش ہائے پیہم سے
ادب کے کارواں میں خود کو بھی شامل سمجھتا ہوں

میری قسمت میں اب منزل رسی شاید نہیں وارثؔ
کہ ہر منزل کو میں راہ غم منزل سمجھتا ہوں

کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا لوریا، مغربی چمپارن بہار۔

www.shibliacademy.org

مطبوعات جدیدہ

فوائد جامعہ شرح عجالۂ نافعہ: از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی، قدرے بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۶۷۲، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ الکوثر B سیکٹر ۱۱، مکان نمبر ۱۲۱، جامعۃ الرشید، احسن آباد۔ کراچی، پاکستان۔

شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی، ملت اسلامیہ ہندیہ کی تاریخ میں واقعی یگانہ روزگار تھے، ان کے فضل کا اعتراف خود معترف کے صاحب فضل ہونے کی دلیل ہے، الفاظ کی نزاکت اوران کے درجہ حرارت پر نظر رکھنے والوں مثلاً سرسید نے ان کو اعلم، افضل، اکمل، اعرف، اشرف جیسی اضافتوں سے یاد کیا، شاہ صاحب کے علمی افتخار کا شاہدان کا رسالہ عجالہ نافعہ بھی ہے جو فارسی زبان میں ہے، اس میں شاہ ولی اللہ کی اسانید حدیث کے ساتھ کتب حدیث کے طبقات اور صحاح ستہ کے راویوں کے ناموں کے ضبط و تصحیح کی محنت شامل ہے، اس کا مقصد تالیف یہ تھا کہ فنون حدیث میں غور وفکر کرنے میں قاری و طالب خطا و غلطی، تصحیف و تحریف سے محفوظ رہے اور صحیح وضعیف حدیثوں کی پہچان میں آسانی ہو، اس رسالہ کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کے کئی عربی اور اردو ترجمے شائع ہوئے، ان میں سے ایک زیر نظر فوائد جامعہ بھی ہے جس کا پہلا ایڈیشن نصف صدی قبل شائع ہوا تھا اور اہل نظر نے اس ترجمہ کی داد دی تھی، اب زیر نظر کتاب صرف ترجمہ ہی نہیں، بعض نہایت مفید ضروری مباحث کی وجہ سے بجائے خود تالیف کی شکل میں ہے اور اس طرح ہے کہ قریب بیس صفحات میں اصل رسالہ بزبان فارسی ہے، پھر اس کا اردو ترجمہ تیس صفحات میں ہے اور باقی کے سینکڑوں صفحات میں تشریح و توضیح، تحقیق و تعلیق کے نتیجہ میں ایسے مباحث آ گئے ہیں جو مولف کے وفور علم اور تلاش و تحقیق میں ان کی دیدہ وری اور ژرف نگاہی کے شاہد ہیں۔ اس طرح عجالہ نافعہ کی یہ تشریح واقعی فوائد جامعہ بن گئی ہے۔ علم حدیث کے شائقین کے لیے یہ بے شبہ نہایت مفید تحفہ ہے، کتابت کا معیار اعلیٰ ہے، فہرست، مراجع و مصادر وغیرہ کتابیات کا اہتمام بھی لائق داد ہے۔

www.shibliacademy.org

فبہا (کلیات غزل): از ڈاکٹر راہی فدائی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۵۹۲ ، قیمت ۴۰۰ روپے ، پتہ : الانصار پبلی کیشنز A/۱۲/۲۲۲-۸-۱۸، ریاست نگر، حیدر آباد-۵۹۔

اس مجموعہ اشعار کے شاعر، راہی بھی ہیں فدائی بھی، ظاہر ہے راہ شعر و ادب کی ہے اور اس راہ میں دل و جان کا تقاضا ہوتا ہے کہ تمام جذبے اسی صنف پر فدا کیے جائیں، فدائیت کی راہ میں فکر و نظر کی یہ ارزانی خود ہی اس مجموعہ کے مقام کا تعین کرتی ہے کہ

اسی کی ذات کا مطلع ہے روئے حسن مآب — اسی کے نور کا سکہ یہ مہر یہ مہتاب

اسی کے حرف و نوا، نقش بھی اسی کے ہیں — اسی کے نام سے کھلتی ہے جسم و جاں کی کتاب

یہ خیر و شر بھی یہ جذبات بھی اسی کے ہیں — اسی کی رحمت کامل کا عکس روز حساب

یہ دل کی جھولی تو کل سے بھر گئی راہی — ہمارے کام نہ آئیں گے ظاہری اسباب

اور نعت کا یہ مقطع کہ

دعوی مع الدلیل ہے راہی، حدیث پاک — اسلوب ہائے دلکش و ممتاز

حمد و نعت کا یہ اسلوب، یہ آہنگ اپنی جدت اور خیالات کی ندرت کا خود ہی شاہد ہے، جب شاعر کا طائر تخیل ایسی دنیا میں پہنچ جائے جہاں جسم و جاں کے ایوانوں میں فکر و فن کا سناٹا ہو، جہاں تیرگی، تابانی ہو جائے، جہاں خلوتوں میں انجمن کا سناٹا در آئے تو پھر شاعری اور اس کے پیغام میں ایسے نئے پن کا احساس ہونا فطری ہے جو چونکا بھی دے اور کچھ سوچنے پر مجبور بھی کر دے، کامیاب شاعری کا غالباً یہی لازمی عنصر ہے۔ مجموعہ میں سینکڑوں غزلیں ہیں اور ہر غزل جذبات ہی نہیں، ردیف، وزن، بحر کے لحاظ سے اپنی انفرادیت کے اظہار میں سرخرو ہے۔ چند سطروں میں ان کی خوبی، جدت، قوت اور تاثیر کا بیان ناممکن ہے۔ مجموعہ کا نام فبہا کیوں ہے، قاری کو اس کا جواب ملے نہ ملے لیکن یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ فبہا و نعمت۔

ع-ص

www.shibliacademy.org

رسید کتب

۱-آئینہ افکار: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، الحسنات بک ڈپو دریا گنج، دہلی۔
قیمت ۲۴۰ روپے

۲-الادب الاسلامی رؤیة و تاریخ: د/ محمد طارق الایوبی الندوی، مکتبة الحسنات، دلھی۔
قیمت ۳۰۰ روپے

۳-جدید عربی ادب سے متعلق تحقیقاتی اور معلوماتی مضامین: پروفیسر مقصود احمد، ۲۰۳، شفا کامپلکس، بڑودہ۔
قیمت ۱۵۰ روپے

۴-دبستان رامپور: سلیم عنایتی۔اظہر عنایتی، ۵۷/۴۰ پریڈ، کانپور۔ قیمت ۱۵۰ روپے

۵-علم حدیث کے فروغ میں علمائے گجرات کا حصہ: پروفیسر مقصود احمد، عامر بک ایجنسی، جمال پور احمد آباد، گجرات۔
قیمت ۱۰۰ روپے

۶-عربی زبان اور ادب کی ترقی میں گجرات کے دانشوروں کا حصہ: ڈاکٹر باقر علی محمد علی ترمذی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔
قیمت ۲۵۰ روپے

۷-فکر یے: ابن غوری، مولف 11-3-946، امتیاز ریزیڈنسی، چورہانیو ملے پلی، حیدر آباد۔
قیمت ۹۰ روپے

۸-کتابیات مجیب: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادب کدہ، عقب آواس وکاس کالونی، اعظم گڑھ۔
قیمت ۲۵۰ روپے

۹-مفکر اسلام۔ایک مطالعہ: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، الحسنات بک ڈپو، دہلی۔
قیمت ۱۳۰ روپے

۱۰-موقف الشیخ ابی الحسن الندوی من الافکار المعاصرہ: د. محمد طارق الایوبی الندوی، دارالکتاب علی کرہ، الھند۔ قیمت ۶۰۰ روپے

www.shibliacademy.org

ندائے یتیم

VOICE OF ORPHAN BOYS

یتیم خانہ اسلامیہ گیا ایک تعارف

☆ دینی وعصری علوم کی اپنے طرز کی مشہور اقامتی تعلیم گاہ ☆ 97 سالہ خدمات ☆ بہت سارے شعبہ جات ☆ تعلیمی مراحل: درجہ اطفال تا میٹرک (Matric)۔☆ شعبہ حفظ: حفظ کے ساتھ ساتھ میٹرک ☆ ہر سال بہار اسکول بورڈ اکزامنیشن بورڈ کا صد فیصد 100% رزلٹ ☆ فاصلاتی تعلیم آئی اے ، بی اے اور لائبری سائنس Distance Education I.A, B.A and BLIS - 2014-15) کے سیشن کیلئے فاخلہ جاری ☆ کمپیوٹر کی بھی تعلیم ☆ اسکیم کے تحت ایک یتیم طالب علم پر سالانہ خرچ (Rs 15,000/=) روپے ☆ 100 یتیم طلباء جن کا سارا خرچ ادارہ ہی برداشت کرتا ہے ☆ سالانہ خرچ 24 لاکھ روپے سے زائد ☆ ذریعۂ آمدنی: مسلم عوام کے چندے ☆ جس شکل میں ممکن ہو تعاون فرما کر اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کریں ☆ مثلاً ☆ زکوٰۃ ☆ عطیات ☆ صدقات ☆ پیداوار کی زکوٰہ ☆ چرم قربانی ☆ ایک یتیم بچے کا سالانہ خرچ ☆ اپنے یا کسی بزرگ کے نام کمرہ یا ہال بنوانا وغیرہ۔

☆ **یاد رکھیں!** یہاں ہر سال آڈٹ (Audit) بھی کرایا جاتا ہے۔ آپ ادارے میں پہنچ کر مساوات کا مثالی اور عملی نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ کس طرح یتیم اور غیر یتیم بچے مل کر رہا کرتے ہیں۔

نوٹ:۔ عنایت ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (Enayeth Techniak Institute) کی تعمیر عمارت کا کام تقریباً مکمل اور تعلیمی سلسلہ کا آغاز جلد ہی۔ ادارہ آپ سے فرخدلانہ تعاون کی اپیل کرتا ہے

ادارہ آپ سے فراخدلانہ تعاون کی اپیل کرتا ہے

یہ ادارہ غیر ملکی زر کے قانون FCRA کے تحت بھی رجسٹرڈ ہے۔

Foreign Donors, غیرملکی چندہ دھندگان

باھر ملک کے حضرات اب BANK A/C NO: 300402010000187

Bank Code No: UBININBBJAM or IFS Code No: UBIN 0530042

UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH, GAYA)

میں اپنی رقم بھیج سکتے ھیں۔

چیك و ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں : "THE GAYA MUSLIM ORPHANGE"

برائے رابطہ (خط، چیك و ڈرافٹ اور منی آرڈر بھیجنے کا پتہ)

Hon. SECRETARY, THE GAYA MUSLIM ORPHANAGE

At + P.o: CHERKI - 824237, Distt: GAYA (BIHAR) INDIA

Local Donors مقامی چندہ دھندگان

CORE BANKING A/C NO: 300402010010581

BANK: UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH, GAYA)

Bank IFS Code No: UBIN 0530042

Mobile: 09801213022, 09955655960

E-mail:gmocde@yahoo.co.in,WEBSITE: www.gmogaya.com

NOTE:- DOCUMENTARY FILM - NAZR-E-ENAYAT

جس میں دونوں ادارے کی مختصر تاریخ ہے۔ انٹرنیٹ YOU-TUBE پر دیکھیں۔

نوٹ: کور بینکنگ والے حضرات E-mail یا ڈاک سے مکمل پتہ بھیج دیا کریں تا کہ اسی پتے پر رقم کی رسید روانہ کی جا سکے۔

صدر	اعزازی ناظم
ڈاکٹر فراست حسین	**ڈاکٹر محمد احتشام رسول**

www.shibliacademy.org

ندائے یتیم

VOICE OF ORPHAN GIRLS

مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا
ایک طائرانہ نظر
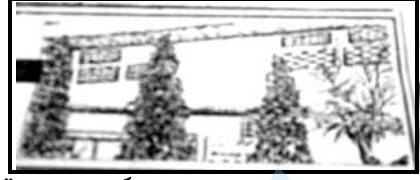
لڑکیوں کے لیے جدید اور مکمل اسلامی طرز تعلیم سے مزین قومی سطح کا معیاری رہائشی ادارہ

☆28 سالہ خدمات ☆19 شعبہ جات ☆تعلیم: درجہ اطفال تا میٹرک (Matric) ☆ فاصلاتی تعلیم (Distance Education) (آئی اے، بی اے اور لائبریری سائنس I.A., B.A. and BLIS) ☆9 طالبات نے حفظ کے ساتھ ساتھ میٹرک پاس کیا ☆تعلیم بالغان ☆ووکیشنل سینٹر-کٹائی وسلائی: 8 بیچ 88 طالبات ☆زری ورکس ☆5 بیچ 53 طالبات نے سند حاصل کی ☆1993ء سے 2013ء تک 71 یتیم بچیوں اور 51 غیر یتیم بچیوں نے میٹرک (Matric) پاس کیا ☆سالانہ خرچ 30 لاکھ روپے سے زائد ☆**ذریعہ آمدنی**: مسلم عوام کے چندے ☆ادارہ 120 ننھی منی معصوم یتیم بچیوں کا سارا خرچ پورا کرتا ہے ☆کفالہ اسکیم کے تحت ایک یتیم بچی کا سالانہ خرچ =/15,000 روپے ہے۔ آپ بھی ایک یتیم بچی کی کفالت کا بار اٹھا کر کار ثواب میں شریک ہوں۔

تعاون کی مختلف شکلیں ہیں: مثلاً ☆زکوۃ ☆عطیات ☆صدقات ☆پیداوار کی زکوۃ ☆دینی کتب ☆زمین کی خریداری اور قرض کی ادائیگی وغیرہ ☆اسٹاف کی ماہانہ تنخواہ کے لیے ایک لاکھ (1,00,000) روپے سے زائد ☆والدین یا اپنے دیگر رشتہ داروں کے نام کمرہ یا ہال بنوانا اور تعمیراتی کاموں کے لیے اینٹیں، سیمنٹ، چھڑ اور دیگر سامان یا اس کی قیمت وغیرہ دینا ☆یہاں ہر سال حسابات چیک ہوتے ہیں اور آڈٹ Audit بھی کرایا جاتا ہے ☆ہر چیز کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ادارے میں آ کر خود اپنی آنکھوں سے مساوات کا مثالی اور اعلیٰ نمونہ دیکھیں کہ یتیم اور غیر یتیم بچیاں کس طرح مل کر رہا کرتی ہیں۔

نوٹ: اسلامی ماحول، اسلامی لباس اور اسلامی یونیفارم کے ساتھ ساتھ کم خرچ میں معیاری تعلیم

ادارہ آپکے فراخدلانہ اور مخلصانہ تعاون کا منتظر ھے

حکومت ہند سے مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا کو باہر ملک سے رقم لینے کا اجازت نامہ حاصل ہو گیا ہے

Foreign Donors, غیرملکی چندہ دھندگان

باھر ملک کے حضرات اب BANK A/C NO: 300402010009042

Bank Code No: UBININBBJAM or IFS Code No: UBIN 0530042

UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH, GAYA)

میں اپنی رقم بھیج سکتے ھیں۔

چیک و ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **"THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANGE"**

ترسیل زر و رابطے کا پتہ: GENERAL SECRETARY

THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANAGE

At: KOLOWNA, P.o: CHERKI - 824237, Distt: GAYA (BIHAR) INDIA

Mobile: 09934480190

E-mail:thegayamuslimgirlsorphanage@gmail.com WEBSITE: www.gmgo.org

Local Donors مقامی چندہ دھندگان

CORE BANKING A/C NO: 300402010007752

Bank IFS Code No: UBIN 0530042

BANK: UNION BANK OF INDIA (MAIN BRANCH, GAYA)

NOTE:- DOCUMENTARY FILM - NAZR-E-ENAYAT

جس میں دونوں اداروں کی مختصر تاریخ ہے۔ انٹرنیٹ YOU-TUBE پر دیکھیں۔

نوٹ: کور بینکنگ (بینک) والے حضرات E-mail یا ڈاک سے مکمل پتہ بھیج دیا کریں تا کہ اسی پتے پر رقم کی رسید روانہ کی جا سکے۔

اقبال احمد خاں بانی ادارہ و اعزازی جنرل سکریٹری